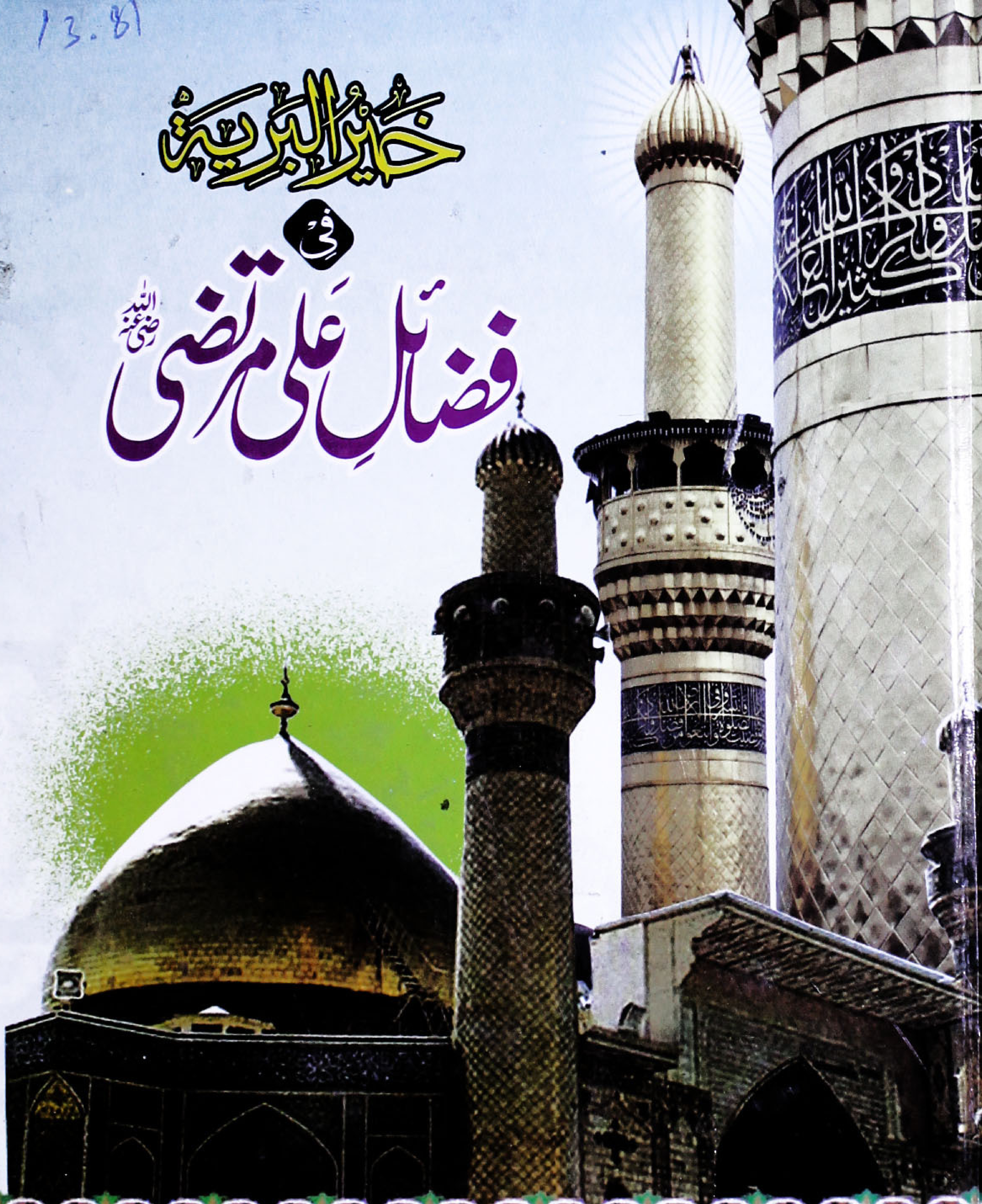
13.81

خیر البریۃ
فی
فضائلِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ



تالیف و تحریر
جمال عبد الناصر

کرماں والا بک شاپ

بسم الله الرحمن الرحيم

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى
حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّم

فرمانِ نبوی ﷺ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں

خیر البریۃ
فی
فضائل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

تالیف و تحریر
جمال عبدالناصر

کرماں والا بک شاپ
دکان نمبر ۵
دربار مارکیٹ
لاہور
Voice: 042-7249515
0300-4306876 0307-4132690

بفیضانِ کرم

شمس العارفین سراج السالکین قطب الاقطاب، پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف حضرت کرماں والے۔ آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف (اوکاڑہ)

حضرت پیر سید میر طیب علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ کرم

زینت السادات نور السادات فخر السادات

حضرت پیر سید

صمصام علی شاہ بخاری

جانشین حضرت کرماں والا شریف

بفیضانِ کرم

زینت السادات نور السادات فخر السادات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت حضرت پیر سید

باباجی

میر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین حضرت کرماں والا شریف



چاہتے ہو اگر نیک نامی آلِ زہرا رضی اللہ عنہا کی کرو غلامی

ان کے صدقے سے زاہد نیازی پر سکوں غم کے مارے ہوئے ہیں

فنا فی الشیخ صوفی باصفا پیکرِ صدق و صفا ابو الانعام

الحاج صوفی

برکت علی

بانی کرماں والا بک شاپ

الحاج پیر

انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی

زیرِ اہتمام

سمیع اللہ برکت

قیمت 180 روپے

اشاعت 17-03-2011

خیر البریة

فی

فضائل علی المرتضی رضی اللہ عنہ

جناب مرتضی رضی اللہ عنہ پر ایک کتاب جس میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ہر پہلو کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولف وتحریر

جمال عبد الناصر

0300-4205754

انتساب

یہ کتاب میں منسوب کرتا ہوں اپنے والدِ محترم جناب

ولی الرحمٰن

سے

جن کی اہل و عیال، دوست احباب،

اور ملک عزیز میں جمہوریت کی بقاء دوام

کے لیے گراں قدر خدمات ہیں

اور

بزرگوار جناب

مقبول احمد

سے

جو انتہائی سادہ و نیک سیرت علمی شخصیت ہیں

فہرست

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہٖ الکریم امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین کہ ادارہ سیّدنا و مولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی سیرت پاک پر مشتمل کتاب طبع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

یقیناً کتاب کے مندرجات سے آپ ضرور مستفیض ہوں گے مگر بطور نذرانۂ عقیدت یہ احقر بھی اپنے چند کلمات کو اس کتاب کی زینت بنانا اپنے لئے باعث نجاتِ اُخروی خیال کرتا ہے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذاتِ بابرکات سے بھلا کون واقف نہ ہوگا۔ اہل اسلام کے علاوہ اغیار بھی آپ کی شجاعت وسخاوت کے دلی طور پر معترف ہیں۔

ہمیں ہمارے والد بزرگوار حضور قبلہ الحاج پیر انعام اللہ طبی نقشبندی برکاتی مدظلہٗ العالی نے ہمیں اوائل عمری سے ہی یہ تلقین فرمائی کہ اہل سادات کے ہر فرد کی حد درجہ عزت وتوقیر کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں سرِ راہے ایک واقعہ یاد آ گیا ہے کہ ہمارے محلّہ میں ایک گھرانہ آباد ہے۔ ایک روز یوں ہوا کہ میرا

ان کے ایک بیٹے کے ساتھ جھگڑا ہوگیا جیسا کہ عموماً بچوں کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ یاد رہے کہ ہم دونوں کی عمریں دس بارہ سال کے قریب تھیں۔

شام کو جب والد محترم گھر تشریف لائے تو انہیں گھر سے باہر ہی معلوم ہوگیا کہ سمیع اللہ کا جھگڑا سیدوں کے لڑکے کے ساتھ ہوا ہے اور سمیع اللہ کو اس نے مارا ہے۔ والد محترم گھر داخل ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے مجھے پکارا جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا تو انہوں نے مجھے خوب ڈانٹا اور پھر مجھے اپنے ہمراہ لے کر شاہ صاحب کے گھر چلے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے بڑے ہی عاجزانہ انداز میں معذرت کی اور مجھے بھی معافی مانگنے کا حکم دیا۔

شاہ صاحب نے بہت کہا کہ حاجی صاحب غلطی تو ہمارے لڑکے کی تھی پھر بھلا آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں تو والد صاحب نے فرمایا کہ شاہ صاحب کچھ بھی ہو ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے ہم تو یہی کہیں گے کہ غلطی ہمارے ہی لڑکے کی تھی۔ عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے عین نو عمری ہی میں سادات پاک کی عزت و توقیر کرنا اپنے والد ماجد سے سیکھ لی تھی۔ اب جبکہ ہمیں مولیٰ کریم نے یہ سعادت بخشی کہ ہم نشر و اشاعت کر سکیں تو ہم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی سیرت پاک کو شائع کرنا اپنے لئے باعث سعادت خیال کیا۔

علی امامِ من است و منم غلام علی
ہزار جان گرامی فدا بہ نامِ علی

حدیثِ مبارکہ ہے کہ

عَلِیٌّ بَابُ حِطَّۃٍ مَنْ دَخَلَ مِنْہُ کَانَ مُؤْمِنًا وَّ مَنْ خرجَ مِنْہُ کَانَ کَافِرًا

''علی تو مغفرت کا دروازہ ہے جو کوئی اس دروازے کے اندر آیا اور متابعت کی تو وہ مومن ہے اور جو کوئی اس دروازہ سے باہر نکل گیا اور نافرمانی کی تو وہ کافر ہے۔''

یہی نہیں بلکہ ایک اور حدیث مبارکہ بھی ہمیں احادیث کی کتابوں سے ملتی ہے جس کے راوی حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نَظْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ

''علی کو نظر بھر کے دیکھنا بھی عبادت ہے۔''

یقینی بات ہے کہ اگر دیکھنا عبادت ہے تو پھر آپ کے ذکر کی بھی کچھ کم فضیلت تو نہ ہوگی اور کیوں نہ ہو کیونکہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

''جس کا مولیٰ میں ہوں اس کا مولیٰ علی ہے۔''

اس کے علاوہ ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ جس کو میرے ساتھ محبت ہو اسے چاہیئے کہ وہ علی کے ساتھ بھی محبت رکھے۔ جیسے نبی کی محبت فرض ہے اور دشمنی حرام ہے اسی طرح علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ محبت افضل ہے اور دشمنی حرام ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ بھی فضیلت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم میں ہمیں حاصل ہوتی ہے کہ:

عَلِیٌّ مَّعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ

''علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔''

یعنی قرآن سے علی جدا نہیں اور علی سے قرآن جدا نہیں۔ لہٰذا جو قرآن

کریم کی عزت و تکریم کرتا ہے اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عزت و تکریم بھی کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

حُبُّ عَلِيٍّ وَاجِبٌ عَلٰى اُمَّتِيْ

''علی کی محبت میری امت پر واجب ہے۔''

کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک تو ارشادِ نبوی ﷺ سے بڑھ کر کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ محققین نے بعد از تحقیق یہ فرمایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضیلت میں تقریباً ایک سو چالیس آیات قرآن کریم میں وارد ہیں اور دو سو سے زائد احادیثِ مبارکہ موجود ہیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ

تو اس میں سابق سے مراد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، سب سے پہلے نماز پڑھی اور سب سے پہلے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا تو ساتھیوں میں بھی آپ سب سے سابق ہی ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اہل بیت کے سردار ہیں۔ آپ سیّدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار ہیں۔ آپ دونوں ہی سے اہل بیت کا سلسلہ قائم و دائم ہے۔ اہل بیت اطہار کے لئے قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں آلائشوں سے پاک فرما دے اے اہل بیت۔''

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

''اور تمہیں پاک فرما دے کہ جس طرح پاک کرنا چاہیئے۔''

یہی نہیں بلکہ اہل بیت مصطفیٰ کریم ﷺ کی فضیلت و تکریم ہی کے سلسلہ میں ایک اور آیت مبارکہ بھی قرآن کریم میں وارد ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

''(اے حبیب) آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سے تبلیغِ رسالت کے عوض کچھ اجر طلب نہیں کرتا ہاں مگر صرف میرے اہل بیت کے ساتھ دوستی۔''

یعنی اہل بیت مصطفیٰ کریم ﷺ کے اہل بیت کے ساتھ محبت اور رواداری کو ہی اجر رسالت قرار دیا جا رہا ہے تو کیا ہمارے لئے ایک بہت بڑی سعادت نہیں ہے کہ ہم محض اپنے دل میں صرف اہل بیت کے ساتھ محبت رکھ کر اپنی عاقبت کو سنوار سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِىْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَّنْ رَّكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ

''میرے اہل بیت کی مثال کشتیِ نوح کی طرح ہے کہ جو کوئی اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو نہ ہوا وہ غرق ہوا۔''

سب سے بڑھ کر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت یہ ہے کہ آپ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے داماد ہیں یعنی آپ کی سب سے چہیتی اور پیاری بیٹی حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔ حسنین کریمین یعنی سیّدنا امام حسن اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہما آپ دونوں ہی کے لختِ جگر تھے اور ان دونوں سے ہی تا قیامت اہل بیت اطہار کا سلسلہ قائم و دائم

رہے گا۔

آخر میں ہم دلی طور پر جناب جمال عبدالناصر صاحب کے ممنون و مشکور ہیں کہ جنہوں نے اس عظیم موضوع پر نہایت ہی عرق ریزی کے ساتھ کام کیا اور ایک کتاب کی صورت میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی مساعیٔ جلیلہ کو اپنی بارگاہِ رسالت میں قبول و ممنون فرمائے۔

ہم اللہ کریم علیم وخبیر کی بارگاہ بیکس پناہ میں دست بہ دُعا ہیں کہ ہمیں اہل بیت اطہار کے صدقہ میں دینی و دنیاوی مشکلات سے نجات عطا فرمائے۔ ہماری والدۂ ماجدہ کو جنت معلیٰ میں بلند ترین درجات سے نوازے اور ہمارے والد ماجد الحاج انعام اللہ طیبی برکاتی مدظلہٗ العالیٰ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کا فیضِ روحانی عطا فرمائے۔ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں رسولِ کریم ﷺ کے صدقہ قبول فرمائے اور بروزِ حشر ہمیں آپ کی شفاعت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

نیاز مند

صاحبزادہ سمیع اللہ برکت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جنابِ مرتضیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کتاب لکھنے کی سعی ۲۰۰۰ء میں شروع کی تھی۔ مگر جب تک بارگاہِ ربوبی سے منظوری نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا یا یوں کہہ لیجئے کہ بندہ اُس وقت اِس عزت وتوقیر کا مستحق نہ تھا کہ شاہ الاولیاء شیر خُدا حیدرِ کرار جناب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کر پاتا آخرکار جب اللہ ربّ العزت نے توفیق عطا کی تو یہ سلسلہ دوبارہ ۲۰۰۸ء میں شروع کیا اور اب یہ کتاب ''خیر البریۃ'' قارئین کی نظر میں پیش خدمت ہے۔

ایک بات کو خاص طور پر اپنے قارئین سے Share کرنا چاہوں گا کہ ایک دفعہ جنگ صفین میں جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قریبی ساتھی اور انتہائی محبت کرنے والے دوست معرکہ سے واپسی پر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہادت پا گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اِن کے گذر جانے کا دلی رنج ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر سنگلاخ چٹان بھی مجھ سے محبت کرتی تو شدتِ غم سے پارہ پارہ ہو جاتی۔'' پھر اِس کی تشریح فرمائی کہ ''ہم اہل بیت سے جو بھی محبت کرے گا تو دُنیا اس سے دور ہوتی جائے گی اور سختیاں، مصیبتیں انتہا کو پہنچیں گی۔'' تاریخ بتاتی ہے کہ حُبِ علی والوں کو اِس کا خوب تجربہ ہوا۔ بلکہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور رہتی دُنیا تک جاری وساری رہے گا۔ راقم نے بھی حُبِ علی کا کسی حد تک لطف اُٹھایا ہے۔

اِس کتاب ''خیر البریۃ'' کی تکمیل تک کچھ دوست حضرات کا بھی

خصوصی تعاون شامل حال رہا۔ جن میں جناب شبیر احمد، جناب از حد محترم مظہر بٹ اور جناب وقار حیدر کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

بندۂ ناچیز الفاظ کی جادوگری کا ماہر ہے نہ ہی پیشہ کے لحاظ سے مولف یا مصنف صرف اور صرف جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت نے اتنی طاقت بخشی کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں ''خیر البریۃ'' کی صورت میں امام المتقین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی جسارت کرسکوں۔

معزز قارئین کرام سے درخواست ہے کہ کتاب میں شامل تحریر کے بارے میں جو بھی کہنا چاہیں ضرور پبلشرز کے پتہ پر ارسال کریں۔ بندہ آپ کے مشوروں اور Feedback کا منتظور رہے گا۔

شکریہ

جمال عبد الناصر

ابتدائیہ

زمانوں نے کئی بہادر، جری اور بے خوف انسان دیکھے ہونگے۔ قوی الجثہ اجسام کے مالک دیو ہیکل پہلوانوں کے دلیرانہ واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ دُنیا کے دانش کدوں میں بے شمار اہل علم و عقل ایسے بھی گذرے جن کی ذہانت و فطانت کی دُنیا آج بھی معتقد ہے۔ زمانے کے آئینہ پر ایسے حکمرانوں کے نقش بھی ثبت ہیں جن کی شان و شوکت اور جاہِ و جلال کے قصے آج بھی سنائے جاتے ہیں۔ تاریخ عالم کے اوراق پر ایسے درویش صفت صابر لوگوں کے واقعات بھی پڑھنے کو ملیں گے کہ جن کا صبر آسمان چیر دے۔ تلاش بسیار کے بعد ایسے تاریخی واقعات بھی پڑھنے والے کے علم میں آ سکتے ہیں کہ جب کسی نے اپنے انتہائی جانی دشمن کے ساتھ بھی لطف و کرم کیا ہو۔ کچھ ایسے بھی ہونگے جنہوں نے کسی کی خاطر اپنی جان داؤ پر لگا دی ہو۔ غرضیکہ جو جو خوبیاں انسان کے اندر موجود ہیں ان کا اظہار کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی صورت میں ضرور ہوا ہو گا۔

مگر! دعوت فکر یہ ہے کہ تمام کی تمام خوبیاں جن میں سے کچھ اُوپر بیان ہوئی ہیں۔ کسی ایک فرد میں یکجا ہونا اور پھر اِن کا عملی اظہار بھی ہونا ناممکن ہے۔ دُنیا کو تخلیق ہوئے کئی صدیاں بیت گئیں کئی زمانے لد گئے۔ مگر کوئی ایسا نہ گذرا جس میں تمام خوبیاں وخصوصیات موجود ہوں اور وہ بھی اپنی انتہا پر مثلاً اگر کوئی جنگجو بہادر ہے تو وہ اُسی پائے کا عقل مند یا زیرک نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی ایسا شخص مل بھی جائے جس میں دو خصوصیات بام عروج پر ہوں تو تیسری خصوصیت سرے سے ناپید ہو گی۔ لیکن آسمانوں نے نظارا کیا زمین نے قدم بوسی کی سعادت پائی۔ ہوائیں جس کے بدنِ اطہر کو چھو کر معطر ہوئیں جس کا نور کائنات میں ہر سو ہے۔ محبوب ایسا کہ جس کے حُب کی بدولت کامیابی نصیب ہو گی۔ شجاع، بہادر اور ثابت قدم ایسا کہ اپنے محبوب کی خاطر اپنا جسمِ مبارک زخموں سے بھر لیا مگر محبوب کو آنچ تک نہ آنے دی اور محبوب کی زندگی کے دوام کی خاطر کئی دفعہ جان جوکھوں میں ڈالی۔ شہنشاہ ہو کر فقیر ایسا کہ سوکھی جو کی روٹی بھی کم ہی نصیب ہو۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم کہ تخلیق کائنات کے بارے میں اِس طرح دلائل سے اور مثالوں سے واضح کرے جیسے کہ کائنات کو تخلیق ہوتے دیکھا ہو۔ علم و حکمت کا وہ سمندر موجزن کہ دُنیا کے بڑے بڑے دانش مند منہ میں انگلیاں دبالیں اور حصول علم کی خاطر اِسی دروازے سے داخل ہونا لازمی قرار پائے اور اگر یہ کسی پر الزام دھر دے تو آسمان ٹوٹ پڑے۔ جس کی طرف نظرِ کرم کر دے اُس کی زندگی بدل جائے۔ جس کے فرزند جنت کے سردار ہوں۔ جس کی زوجہ خواتین جنت کی سردار خود ساقی کوثر اور سب سے بڑھ کر جس کے بارے میں سرورِ کونین محمد مصطفیٰ ﷺ نے کہہ دیا ہو کہ ''جس کا میں مولا اُس کا علی مولا یا الٰہی علی کے دوست کو تو بھی دوست رکھ اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔''

جی ہاں قارئین کرام یہ سعادت یہ رتبہ یہ عظمت صرف اور صرف جناب مرتضیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کا خاصا ہے۔ جنہوں نے فرمایا ''اے دُنیا تو کسے داؤ لگاتی ہے۔ میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اور اب رجوع کی گنجائش ممکن نہیں۔''

اللہ ربّ العزت رحمان و رحیم ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ رحمت العالمین اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام المتقین ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے بعد شیر خُدا حیدرِ کرار کے سوا کسی نے دعویٰ نہ کیا کہ ''پوچھو مجھ سے میں تمہیں زمین سے زیادہ آسمانوں کے راز بتاؤں گا۔'' اور یہ کہ ''پوچھ لو مجھ سے اس سے قبل کہ میں دُنیا میں نہ رہوں۔''

مصری تاریخ دان لکھتا ہے کہ اگر ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی تعریف بیان کرنا چاہے گا تو نہ کر پائے گا کیونکہ الفاظ کم پڑ جائیں گے اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعریف کا حق ادا نہ ہو پائے گا۔''

اللہ ربّ العزت سے ہماری تمام اُمت مسلمہ کی طرف سے یہ دُعا ہے کہ یا باری تعالیٰ ہمارے دلوں کو حُب علی سے منور کر دے تاکہ روز حشر نور والے چہروں میں شمار ہوں۔ (آمین)

خیر اندیش
جمال عبد الناصر

نام، نسب، خاندان

علی نام، ابو الحسن کنیت، حیدر (شیر) لقب [1] والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اس لیے جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندان بنو ہاشم کو عرب میں جو امتیازی عظمت حاصل تھی وہ کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ قریش کے قبائل میں سے بنو ہاشم نمایاں خصوصیت کے ساتھ اُبھرا۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اہتمام کی وجہ سے تمام عرب نے اِس خاندان کی عزت و توقیر کی۔

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حیدر کے علاوہ بھی کئی القاب ہیں۔ مثلاً مرتضیٰ، یدُ اللہ، شاہِ مرداں اور شیرِ یزداں وغیرہ۔

تعارف خاندان بنو ہاشم

خاندان بنو ہاشم تاریخ اسلام میں روشن قندیل کی مانند ہے۔ جناب مصطفیٰ ﷺ آقائے دو جہاں، رحمت العالمین اِس خاندان سے ہیں اور شاہ الاولیاء شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اِسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ اس لیے اس خاندان کے جدامجد جناب ہاشم کے بارے میں تحریر کرنا از حد ضروری ہے۔

سلسلۂ نبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اللہ ربّ العزت سے انہیں ایک بلند رتبہ عطا کیا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ جل شانہ ہو کی اطاعت و بندگی اس طرح کی کہ اپنے بیٹے کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اور بیٹا بھی انتہائی فرمانبردار کے باپ کے حکم کے آگے سرتسلیم خم کرتے ہوئے عرض کی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کیجئے۔ اللہ کو ان کی ادا اس حد تک محبوب ہوئی کہ آپ کو خلافت عطا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی یا باری تعالیٰ کیا یہ میری ذریت کو بھی ملے گی۔ اللہ رحمان و رحیم نے فرمایا اُس کو عطا کرونگا جو پرہیزگار ہوگا۔ جو اطاعت کرنے والا ہوگا۔ اللہ ربّ الکریم نے آپ کو ایک اور فضیلت عطا کی کہ روحِ زمین پر اپنے گھر کی تعمیر کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مل کر اللہ کا گھر تعمیر کیا۔ جسے آج ساری دُنیا خانہ کعبہ کے نام سے جانتی ہے اور یہ مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ اللہ کا یہ گھر تمام دُنیا کے لیے رشد و ہدایت کا مرکز ہے۔ خصوصاً مسلمان اس جگہ سے خاص عقیدت و دلی وابستگی رکھتے ہیں۔ خانہ کعبہ کی

تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اِسی جگہ خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کی برکت سے لوگ اِس کے اردگرد آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے۔ کعبہ کا انتظام و انصرام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور پھر نسل در نسل یہ ذمہ داری چلتی رہی یہاں تک کہ ''عبد مناف'' کا نام نگاہِ خلق کا مرکز بن گیا۔ بعد میں عبد مناف کے بیٹے ہاشم نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ جناب ہاشم نے یہ ذمہ داری اِس خوبی و جانفشانی سے ادا کی کہ لوگوں میں محبوب ہو گئے۔ آپ نے کعبہ کی اہمیت کو عرب کے دور دراز علاقوں اور دوسرے ممالک تک بھی پھیلایا۔ حج کے موقع پر لوگوں کے لیے خوراک پانی اور دیگر ضروریات کا انتظام اِس خوبی سے کیا جاتا کہ ہر ایک فرحت و شادمانی کے جذبات لے کر مکہ سے رخصت ہوتا اور جناب ہاشم کی بے حد تعریف کرتا۔ جناب ہاشم نے خانہ کعبہ سے متعلق ذمہ داریوں کو بہترین طریقے سے بجا لانے کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک کے سربراہان کو خطوط لکھے خود بھی گئے۔ تجارت کو ترقی دینے کی خاطر معاہدات بھی کیے۔ قیصر روم سے قریش کے تجارتی قافلوں کا ٹیکس معاف کروایا اسی طرح نجاشی سے بھی اس قسم کا فرمان حاصل کیا۔ (۱)

تاریخ کے اوراق پر اس مدبر انسان کے بارے ایک اور واقع ملتا ہے کہ مکہ میں کسی دور میں شدید قحط پڑا تو انہوں نے اپنے ذاتی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے لوگوں کو روٹیاں شوربے میں چورا کر کے کھلائیں۔ جسے ہشیم کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اِن کا نام ہاشم پڑ گیا ہے۔ (۲)

---

(۱) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی جلد اوّل۔

(۲) ایضاً

عبد المطلب:

عبد المطلب ہاشم کے بیٹے تھے اپنے چچا المطلب کے بعد حجاج کرام کو پانی کی فراہم اور مہمان نوازی کے منصب پر فائز ہوئے۔ مگر جس وجہ سے ان کی شخصیت زیادہ نمایاں ہوئی وہ ابرہہ کے حملے کا واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ابرہہ نے صفاء میں ایک عالیشان چرچ تعمیر کروایا اور بادشاہ (۱) Negus کو لکھا کہ میں نے آپ کے لیے ایک ایسا چرچ تعمیر کروایا ہے جو ماضی میں کسی نے اپنے بادشاہ کی خاطر نہ کروایا ہوگا۔ اور میری یہ کوشش ہوگی کہ تمام دُنیا کے لوگ یہاں آ کر حج ادا کیا کریں۔ اس کی اِس خواہش کے بارے میں ایک عرب امیر کو پتہ چلا تو اِس نے انتہائی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ عزت و مرتبہ صرف کعبہ کو حاصل ہے۔ ابرہہ کو جب اِس صورت حال کا علم ہوا کہ مکہ میں کعبہ کے ہوتے ہوئے اس کی تعمیر کردہ عمارت کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکے گا جو کعبہ کو ہے تو اِس نے کعبہ کو مسمار کرنے کا ناپاک ارادہ کیا۔ اس غرض سے وہ کئی ایک معرکوں کے بعد مکہ میں وارد ہوا۔ (۲) اس کے فوجیوں نے دل کھول کر وہاں لوٹ مار کی۔ اسی میں جناب عبد المطلب کے ''دوسو اونٹ'' بھی لے گئے۔ عبد المطلب نے کسی طرح کوشش کر کے ابرہہ سے ملاقات کا وقت لیا۔ تاریخ (۳) بتاتی ہے کہ جب عبد المطلب ابرہہ سے ملنے

(۱) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی میں بادشاہ ''حبش اراحمیس زبی ان'' ابرہہ کے بادشاہ کا نام بتایا گیا ہے اور اس تحریر میں ابرہہ کو اِس کا نائب بتایا ہے۔

(۲) جب عبد المطلب کو ابرہہ کے حملے کی خبر ہوئی تو دیگر روسائے قریش کے ساتھ آپ نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اللہ سے دُعا کی کہ انہیں ابرہہ کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا کرے۔ اس کے بعد عبد المطلب نے تمام اہل مکہ سے کہا کہ وہ ابرہہ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے لہٰذا پہاڑیوں پر جا کر پناہ گزیں ہوں۔

(۳) یہ سارا واقعہ سیرت بن ہشام میں تفصیل سے درج ہے۔

کے لیے دربار میں داخل ہوئے ہیں تو ابرہہ ان کی پروقار شخصیت سے اِس قدر متاثر ہوا کہ اپنے تخت سے نیچے آکر بیٹھ گیا اس موقع پر اس نے عبد المطلب کی بڑی تعظیم کی۔ جب بات شروع ہوئی تو عبد المطلب نے کہا کہ تمہارے سپاہی میرے دو سو اونٹ لے آئے ہیں۔ وہ مجھے لوٹا دو ابرہہ اِس مطالبہ سے خاصا پریشان ہوا اور عبد المطلب سے کہا کہ جب تم آئے تھے تو میں تم سے خاصا مرعوب ہوا تھا مگر اب جب کہ تم نے اپنے اونٹوں کے بارے میں کہا ہے تو اب مجھے تم میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تم اپنے اونٹوں کے بارے میں فکر مند ہو اور وہ گھر جس کی تم بے حد تعظیم کرتے ہو اُس کی تمہیں کوئی فکر نہیں۔ قارئین کرام اس موقع پر عبد المطلب کا جملہ خاص توجہ کا حامل ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ''میں اونٹوں کا مالک ہوں اور بے شک اُس گھر کا بھی ایک مالک موجود ہے وہ خود ہی اُس کی فکر کر لے گا۔'' اس کے بعد آپ اونٹ لے کر واپس آ گئے اور قریش کو اِس متوقع حملے کے بارے میں خبردار کیا اور تمام قریش قبائل عبد المطلب کے مشورے کے مطابق مکہ سے متصل پہاڑوں پر چلے گئے۔ ابرہہ نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور کعبہ کو منہدم کرنے کے ناپاک ارادے سے بڑھا۔ اِس کے لشکر میں ایک ہاتھی (۱) خاص اس مقصد کے لیے تیار کیا گیا تھا کہ کعبہ کو (نعوذ باللہ) گرا دے گا۔ مگر اُس وقت عجیب صورتحال پیدا ہو گئی۔ جب ہاتھی نے کعبہ کی طرف پیش قدمی سے انکار کر دیا۔ اسے لوہے کے گرزوں سے مارا گیا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اِس کا رُخ جب شام یا یمن کی طرف کرتے تو فوراً کھڑا ہو جاتا۔ اسی دوران سمندر کی جانب سے اچانک پرندوں کا جھنڈ آسمان پر ظاہر ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس سے پہلے ایسے پرندے کبھی نہ دیکھے

---

(۱) اس ہاتھی کا نام تاریخی حوالوں میں ''محمود'' بتایا گیا ہے۔

گئے تھے۔ تفاسیر میں ان کا نام ابابیل بتایا گیا ہے۔ ان کی چونچ میں ایک کنکری (۱) تھی اور دو اپنے پنجوں میں دبائے ہوئے تھے۔ جونہی ابابیلوں نے کنکریاں پھینکنی شروع کیں تو ابراہہ کا سارا لشکر تتر بتر ہو گیا جس پر ایک بھی کنکری پڑتی ہلاک ہو جاتا۔ ابرہہ کے جسم میں بھی زخموں سے ورم پڑ گیا اور اسی سے ہلاک ہوا۔ اِسی واقعہ سے متعلق قرآن کریم سورۃ الفیل میں آیات (۱ تا ۵) میں اِس کا ذکر ملتا ہے۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے ربّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا اُس نے اُن کا منصوبہ برباد نہیں کر دیا اور ان کے خلاف پرندوں کے جھنڈ نہیں بھیجے جو کہ اُن پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے۔"

حضرت ابو طالب والد محترم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

جناب ابو طالب بن عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تقریباً (۳۵) سال قبل پیدا ہوئے۔ کسی روایت میں آپ کا نام عمران اور کہیں شیبہ بتایا جاتا ہے۔ آپ مکہ کے زیرک و ذہین شخص تھے۔ لوگ اپنے معاملات میں آپ سے مشاورت طلب کیا کرتے تھے۔

حضرت عبد المطلب نے اپنے آخری ایام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی تھی۔ (۲) جناب ابو طالب رضی اللہ عنہ نے بخوبی بہ احسن

---

(۱) کنکری مسور کے دانے جتنی باریک تھی۔

(۲) سیرت کی کتب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ولادت کے حوالے سے یہ ملتا ہے کہ آپ کے محترم والد عبد اللہ آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل ہی شام سے واپسی پر مدینہ میں انتقال کر گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ آپ کو لے کر مدینہ گئیں مدینہ سے واپسی پر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

طریقے سے یہ ذمہ داری نبھائی۔ ابو طالب آپ ﷺ کو اپنے ساتھ سُلاتے کہیں جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ تاریخی حوالوں سے آپ ﷺ کا جناب ابو طالب کے ہمراہ شام کے سفر کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جہاں ایک عیسائی راہب نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا ''یہ سید المرسلین ہیں۔'' آپ ہی نے جناب مصطفیٰ ﷺ کا نکاح بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے پڑھا۔[1] ابو طالب نے جنابِ مصطفیٰ ﷺ کا خیال اپنی اولاد سے بڑھ کر رکھا۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے دین اسلام کے بارے میں آپ کو علم ہوا اور اپنے بیٹے علی المرتضیٰ کو مکہ کی گھاٹیوں پر نماز کی ادائیگی کرتے دیکھا تو فرمایا اے بھتیجے یہ کون سا نیا مذہب ہے۔ (تفصیل آگے صفحات پر آئے گی) نبی ﷺ جب اِس دین اسلام کے متعلق فرمایا تو آپ نے کہا کہ اے بھتیجے! جب تک میں زندہ ہوں تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا[2] اور یہی ہوا جب تک جناب ابو طالب حیات رہے قریش شدید مخالفت کے باوجود بھی آپ کو گزند نہ پہنچا سکے۔ زندگی کے آخری ایام میں جناب ابو طالب نے نبی ﷺ کو کہا کہ آپ ﷺ اب اپنا خیال رکھیں اِس موقع پر کئی ایک روایات ملتی ہیں۔ جن میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ سے متعلق کلمہ حق لا الٰہ الا اللہ کے زبانی اقرار کے بارے میں ملتا ہے کسی جگہ ہے کہ آپ نے نبی ﷺ کے اصرار پر کلمہ حق کا زبانی اقرار کر لیا تھا اور کسی جگہ ہے کہ اُس وقت دیگر روسائے قریش بھی موجود تھے۔ جب آپ ﷺ نے

(بقیہ) اس کے بعد آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری عبد المطلب نے لی دو سال بعد یعنی جب آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا اور آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری جناب ابو طالب نے اپنے ذمہ لے لی۔

(1) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی جلد اوّل صفحہ ۱۱۸ پر درج ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا خطبہ پڑھا۔

(2) سیرت ابن ہشام۔

اپنے پیارے چچا جان سے کلمہ حق کی درخواست کی تو ان قریشی سرداروں نے ابو طالب رضی اللہ عنہ کو روکا کہ آخری وقت میں ایسا نہ کریں۔ گویا انہوں نے کلمہ حق ادا نہ کیا۔ (۱)

سیرت النبی ﷺ میں مولانا شبلی نعمانی نے کیا خوب لکھا ہے کہ "ابوطالب نے حضور ﷺ کے لئے جو جانثاریاں کیں۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ ﷺ پر جانثار کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی

---

(۱) قانون شہادت آرڈیننس میں ایک شق موجود ہے جسے Dying Declerating کہتے ہیں۔ یہ قانون میں نہایت اہم مانا جاتا ہے اور قانون کی نظر میں اِسے سچ مانا جاتا ہے۔ اس کے پس پردہ یہ نظریہ کارفرما ہے کہ کوئی بھی شخص مرتے وقت جھوٹ نہیں بولتا۔ اب قارئین خود اندازہ کرلیجئے جس نے نازک وقت میں جب نبی ﷺ نے جدوجہد حق کا آغاز کیا تھا اور ساتھ ہی تمام قریش بلکہ آپ کے چچا ابولہب بھی آپ کے شدید دشمن بن گئے تھے۔ اس صورتحال میں آپ ہی نے شمع رشد و ہدایت سید المرسلین نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ حالانکہ قریش کے تمام قبائل بنو ہاشم سے بڑھ کر طاقتور تھے۔ مگر جناب ابو طالب کے ہوتے ہوئے کوئی یہ جرأت نہ کرسکا کہ آپ کو ذرا بھی نقصان پہنچا سکے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب ابوطالب اِسی دین حق اسلام کی روشنی کو دیکھ سکتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نبی ﷺ کی خاص حفاظت فرما رہے تھے اور جب ابو طالب نے اپنے صاحبزادے جناب علی المرتضیٰ کو نبی ﷺ کے ساتھ دین اسلام پر کاربند دیکھا تو ہدایت کی کہ محمد ﷺ کے ہمیشہ ساتھ رہنا۔ کسی جگہ پر روایت یہ بھی ملتی ہے کہ جب محمد ﷺ نے آخری وقت میں کلمہ حق ادا کرنے پر اصرار کیا تو آپ نے کہا کہ مجھے میرے آباؤ اجداد کے دین پر ہی کاربند رہنے دو۔ اگر آخری وقت میں اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا تو لوگ کہیں گے موت کے خوف سے ایسا کیا۔ قارئین کرام یہاں استدلال یہ کیا جا سکتا ہے کہ جناب ابو طالب نے کہا کہ مجھے میرے آباؤ اجداد کے دین پر قائم رہنے دو۔ آپ کے آباؤ اجداد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو کہ نبی ہیں اور دین ابراہیمی ان کا دین تھا اور جب آپ نے محمد ﷺ اور علی کرم اللہ وجہہ کو دین اسلام کی عبادت میں مشغول دیکھا تو پوچھا اے عم زاد یہ کونسا دین ہے تو نبی ﷺ نے جواب دیا یہ ہمارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپ ﷺ کی خاطر محبوس ہوئے۔ فاقے اٹھائے شہر سے نکالے گئے۔ تین تین سال آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جانثاریاں سب ضائع جائیں گی۔''(۱)

اب دوسری جانب بھی دیکھیں جو جناب مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف برسر پیکار رہے۔ جنہوں نے واقعہ کربلا برپا کیا وہ مسلمان ہی تھے۔ اب کہا یہ جاتا ہے کہ اسلام ان کے دلوں کو منور نہ کر سکا تھا۔ زبانی اور ظاہری طور پر یہ لوگ ضرور مسلمان تھے۔ بات پھر وہیں آ گئی کہ دلوں کی کیا کیفیت ہے۔ تاریخی حوالوں سے یہ بخوبی پتہ چلتا ہے کہ جناب ابو طالب کی دلی کیفیات کیا تھیں۔ اللہ ربّ الکریم ہی دلوں کے حال بہتر جانتا ہے۔ ہمیں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

فاطمہ بنت اسد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ اور ابو طالب کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ نے محمد ﷺ کا ایام طفلی میں خاص خیال رکھا۔ جناب مصطفیٰ ﷺ خود فرماتے ہیں کہ میری والدہ کے بعد جس خاتون نے میرا زیادہ خیال رکھا وہ آپ تھیں اور یہ میرے لیے کھانا اٹھا کر رکھ دیا کرتی تھیں۔(۲) جب آپ کا انتقال ہوا تو محمد ﷺ نے آپ کو اپنے کرتے کا کفن دیا۔ لحد میں اُتر کر اس میں لیٹے اور آپ کیلئے خصوصی دُعائے مغفرت کی۔(۳)

آپ ہاشمی خاندان کی پہلی خاتون ہیں جن کے بطن سے ایک ہاشمی پیدا ہوا۔

---

(۱) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی جلد اوّل صفحہ ۱۵۰۔

(۲) المرتضیٰ از مولانا ابوالحسن علی ندوی بحوالہ مستدرک حاکم

(۳) المرتضیٰ از مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

گذشتہ صفحات پر خاندان بنو ہاشم کی نامور شخصیات کا ذکر اجمالی انداز سے مگر تاریخی حوالوں سے گذر چکا۔ جسکا مقصد اِس خاندان کی اہمیت و خدمات سے متعلق قارئین کو آگاہ کرنا تھا۔ اب جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بابرکت ولادت سے کتاب کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔

باب نمبر ا

بابرکت ولادت

مستند تاریخی حوالوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت با سعادت کی تاریخ ۱۳ رجب ۶۰۰ھ ملتی ہے۔ آپ کی ولادت کے سلسلہ میں کئی حوالے ملتے ہیں جس سے کہ آپ کی پیدائش خانہ کعبہ کے اندر بتائی جاتی ہے۔ انہی حوالوں میں سے چند ایک ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آپ کی پیدائش اندرون کعبہ بتائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ''فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اندرون کعبہ جنم دیا۔'' (۱) اِسی سلسلہ فکر سے تعلق رکھنے والے سبط الجوزی نے بھی آپ کی پیدائش خانہ کعبہ کے اندر بتائی ہے۔ (۲)

عہد حاضر کے تاریخ دانوں میں سے ڈاکٹر حمید اختر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بابرکت ولادت کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش کے معجزانہ واقعات اِس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کا اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں کیا مقام و مرتبہ ہے۔ آپ ۱۳ رجب ۶۰۰ھ کو خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ فاطمہ بنت اسد درد زہ سے کراہتی ہوئیں خانہ کعبہ کی طرف بڑھتی جا رہی تھیں خانہ کعبہ کے پاس پہنچیں تو کعبہ کی دیوار شق ہوئی اور آپ اس کے اندر داخل ہو گئیں۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی جگہ پھر سے بند ہو گئی۔ دیکھنے والے ورطہ حیرت میں ڈوب گئے

(۱) ازالۃ الخلفاء (۲) تذکرۃ الخواص الاعمال

انہوں نے اندر داخل ہونے کی انتہا کوشش کی مگر نہ تو دیوار سے راستہ ملا نہ دروازہ ہی کھل سکا۔ فاطمہ بنت اسد تین دن کے بعد ایک خوبصورت بچہ گود میں لیے ہوئے باہر آئیں تو حضور ﷺ نے اِس نومولود کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اس بچہ نے جس ہستی کو دنیا میں پہلی بار دیکھا وہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔ یہ کعبہ کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا کہ کسی کی ولادت اس کے اندر ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰ حضور ﷺ کی ولادت کے تیس سال کے بعد دُنیا میں تشریف لائے۔

نامور صوفی بزرگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے حوالے سے بہت خوبصورت انداز میں ارشادات بیان کیے ہیں۔ اِن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نمایاں ہیں فرماتے ہیں کہ:

> ”جب حضرت علی شیر خُدا خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تو زمین و آسمان نُور سے بھر گئے اور جبریل امین علیہ السلام نے یہ منادی کی کہ خانہ کعبہ کے اندر بابرکت ولادت ہوئی ہے۔“

نبی ﷺ کا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لینا:

ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط سالی ہوئی تو اس سے جہاں دیگر لوگ متاثر ہوئے وہاں جناب ابو طالب بھی معاشی لحاظ سے بُری طرح متاثر ہوئے۔ اس صورتحال کا سید المرسلین آقائے دو جہاں محمد ﷺ کو اچھی طرح اندازہ تھا۔ اسی کے پیش نظر آپ ﷺ نے جناب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے گذارش کی کہ ابو طالب کی معاشی حالت کچھ بہتر نہیں ہے۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ اس لیے ان کے بچوں میں سے ایک کی کفالت میں اپنے ذمہ لے لیتا ہوں اور ایک کی آپ لے لیں۔ لہٰذا آپ اپنے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کی کفالت کی ذمہ داری اُٹھائی۔ اِسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جناب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لیا۔ (۱) جناب مرتضیٰ نے ایام طفلی سے بلوغت تک آپ کے سایۂ رحمت تلے پرورش پائی۔ حضرت محمد ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے کھانے پینے کا خاص خیال رکھتے اور اپنے ساتھ ہی سُلاتے۔

اِسی کی وجہ تھی کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بے شمار خوبیوں، فضائل و کرامت کے حامل تھے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ میں فصاحت و بلاغت کے جو جوہر پائے جاتے تھے۔ وہ نبی ﷺ کے آغوش میں پرورش پانے ہی کا نتیجہ تھے۔ فصاحت و بلاغت میں نبی ﷺ کے بعد اگر کوئی تھے تو وہ جناب علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ تمام عرب آپ کی ذہانت وعلم وعظمت کا قائل تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا:

کئی نامور اسلامی سکالرز خصوصاً المسعودی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی اپنی تمام زندگی میں کبھی بت پرستی نہیں کی اور نہ ہی کسی غیر اللہ کی پرستش کی اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر عمل پیرا تھے۔ اس لیے یہ کہنا کہ آپ کب اسلام لائے درست نہیں ہے کیونکہ آپ نے تو کبھی غیر اللہ کی پرستش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے تو آپ کو کرم اللہ وجہہ کریم کہا جاتا ہے کہ کبھی آپ نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی۔

---

(۱) المرتضیٰ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔

حضرت محمد ﷺ اور جناب عباس رضی اللہ عنہ کا ابو طالب کے بچوں کو کفالت میں لینے کا واقعہ دیگر تاریخی کتب میں بھی درج ہے۔ یہاں جناب ندوی صاحب نے الجواہرۃ فی نسب النبی و اصحابہ العشرۃ ج ۲ ص ۱۹۲۔۱۹۳ سے نقل کیا ہے۔

جب نبی ﷺ مسندِ نبوت پر متمکن ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اسلام کی دعوت دی جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے قبول کی اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دی اور آپ ﷺ کے نبی اللہ ہونے کا اقرار کیا۔ تاریخ کی کُتب میں حضرت علی سے متعلق اسلام کا بالقلب و بالسان اقرار کرنے کے جو واقعات ملتے ہیں۔ اُن میں یہ بات تقریباً سب میں مشترک ہے کہ آپ کو نبی ﷺ نے دعوت اسلام دی جو آپ نے فوراً قبول کی اور کلمہ حق اشہد لا الٰہ الا اللہ اشہداً محمد الرسول اللہ بلند کیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۱۰ سال تھی یہ وہ وقت تھا جب فقط دو ہی افراد نے آپ ﷺ کے کلمہ حق کی تصدیق اور گواہی دی تھی۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے چچاؤں اور دیگر افراد سے چھپ کر مکہ کی گھاٹیوں میں جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور شام کو پلٹ آتے تھے۔ (۱) ایک عرصہ تک یہی دستور رہا ایک دن اتفاقیہ حضرت ابو طالب نے آپ کو اِن پہاڑوں میں عبادت کرتے دیکھ لیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حیرت کے ساتھ پوچھا۔ اے بھتیجے! یہ تم کس دین پر عمل پیرا ہو تو آقائے دو جہاں محمد ﷺ نے جواب دیا چچا یہ آپ کے اور میرے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اور اللہ نے مجھے رسول بنا کر دین اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ دین اسلام کی تبلیغ میں میرا ساتھ دیجئے یہ حق آپ کا زیادہ ہے۔ جناب ابو طالب نے کہا کہ بھتیجے! جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی ذرا بھی گزند نہ پہنچا سکے گا۔ (۲) تم اپنا مشن جاری رکھو پھر ابو طالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) تاریخ الامم والملوک از ابن جریر طبری۔

(۲) جناب ابو طالب کو اِس بات کا پوری طرح اندازہ تھا کہ محمد ﷺ نے جس نئے دین کی بنیاد ڈالی ہے اس کے جواب میں تمام قریش قبائل اس کی شدید مخالفت کریں گے اور کسی بھی

دریافت کیا بیٹے تم کس دین پر عمل پیرا ہو۔ آپ نے کہا ابا جان میں اللہ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے خدا کے نبی ہونے پر ایمان لایا ہوں۔ میں نے محمد ﷺ کے نبی اللہ ہونے کی تصدیق کی ہے اور شہادت دی ہے۔ [1]

اوّلین اسلام لانے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ پھر حضرت عمر بن عبسہ سلمی و حضرت خالد بن سعید مسلمان ہوئے۔ بعد میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی ایک مختصر ٹولی تیار ہوگئی جو کہ ابھی تک ڈھکے چھپے ہی نماز کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔ ابن کثیر [2] نے لکھا ہے کہ ایک دن محمد ﷺ اور ابوجہل کا صفا کے قریب آمنا سامنا ہوا تو وہ آپ ﷺ کے بارے نازیبا درشت و ناگوار الفاظ کا استعمال کرنے لگ گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل نے دست و درازی کی بھی جسارت کی اسی دوران حضرت حمزہ بن عبد المطلب بھی وہاں آ گئے انہوں نے ابوجہل کے پیٹھ پر اپنی کمان سے اس زور کی ضرب لگائی کہ درد کے مارے ابوجہل کی چیخ نکل گئی اور زخم سہلاتا ہوا رخصت ہوا۔ اسکے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

تبلیغ دین کے لیے حکم الٰہی:

امام ابن اسحاق، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ ابونعیم اور بیہقی رحمہم اللہ نے دلائل میں مختلف سندوں کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ جب آیت وَ اَنْذِرْ

(بقیہ) طرح کی جرأت کرنے سے گریز نہیں کرینگے۔ لہٰذا آپ نے یہ کہہ کر کہ تم اپنا مشن جاری رکھو تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا محمد ﷺ کو ایک قوت عطا کی۔

[1] تاریخ الامم و الملوک از ابن جریر طبری۔

[2] البدایہ و النہایہ۔

عِشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ۝ ''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔'' آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مجھے اِس آیت کے بارے میں بتایا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان[1] سے ایسا طرز عمل دیکھوں گا کہ جو ناپسندیدہ ہوگا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اس پر خاموش رہے کہ جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زور دے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل درآمد کریں۔ اس پر محمد ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قریبی رشتہ داروں کی دعوت کا اہتمام کرنے کو کہا۔ جناب سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم نے گوشت اور دودھ کا انتظام کیا اور بنو عبد المطلب کو اکٹھا کیا۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس روز ان کی تعداد چالیس تھی۔ اس دعوت میں آپ کے چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ابولہب بھی تھے۔ جب سب آ چکے تو آپ ﷺ نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ جب علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کھانا لا چکے تو نبی ﷺ نے گوشت کا ٹکڑا چکھا اِسی طرح دودھ کا گھونٹ پیا تو کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام لوگوں نے کھانا کھایا اور سیراب ہو گئے۔ حضرت محمد ﷺ کہنے کے لیے اُٹھے ہی تھے کہ ابولہب نے جلدی کی اور فضول گوئی کی اِس طرح سب چلے گئے۔ پھر اگلے دن دعوت کا اہتمام کیا تو ابولہب نے ایسا ہی کیا اس بار کھانے کے بعد حضور ﷺ نے گفتگو فرمائی فرمایا اے بنو عبد المطلب! اللہ کی قسم! میں عربوں میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس ایسی چیز

[1] بنو عبد المطلب۔

لایا ہو۔ جو اِس سے افضل ہو جو تمہارے پاس لایا ہوں۔ میں تمہارے پاس دُنیا اور اخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں تم میں سے کون میری اِس معاملے میں مدد کرے گا۔ اس موقع پر تمام حاضرین محفل خاموش رہے فقط ایک صدائے حق بلند ہوئی۔ یہ آواز ایک دس سال کے نو عمر نوجوان کی تھی۔ یہ جناب خیر البرۃ شیر یزداں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے جنہوں نے اتنی کم عمر میں مصطفیٰ ﷺ کے کلمہ حق کی گواہی دی اور اِس راہِ حق میں آپ کا ساتھ دینے کا ایفائے عہد کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس جواب پر تمام لوگ ہنس پڑے کہ محمد ﷺ کے مشن کی کامیابی کے لیے یہ فقط دس سال کا نوجوان کیا ساتھ دے گا۔ (۱) مگر بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے کہے کو پوری طرح سچ کر دکھایا۔ غزوہ بدر، غزوہ اُحد یا غزوہ خندق ہو۔ ان سب میں جناب امیر علیہ السلام کی حیثیت کلیدی رہی۔

جناب ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا ایک شعر اِس بات کی بہترین عکاسی کرتا ہے کہ:

اسلام کے دامن میں اور اِس کے سوا کیا ہے
اک ضرب یدُ اللٰہی اک سجدۂ شبیری!

بے شک ضرب ید اللٰہی (ضرب علی) تو تھی ہی مگر جو اسلام کو حیاتِ جاودانی بخشی۔ اس میں جناب سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بڑا حصہ

---

(۱) تفسیر دُرِ منثور از امام جلال الدین سیوطی جلد نمبر ۵ صفحات ۲۷۹، ۲۷۸ بحوالہ تفسیر طبری زیر آیت ہذا جلد ۱۹، صفحہ ۱۴۰۔

(نوٹ) یہی واقعہ بابت دعوتِ القربہ سیرت ابن ہشام میں بھی تحریر ہے اور تاریخ طبری میں بھی رقم ہے۔ اِن سب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ بات ملتی ہے کہ محمد ﷺ کے سوال کے جواب میں صرف آپ کی ہی صدائے حق بلند ہوئی۔

ہے۔ جنھوں نے کربلا میں یزیدیت کے خلاف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عملی مظاہرہ پیش کرتے ہوئے اپنے رفقہا کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

• ہجرت مدینہ سے قبل:

قریش نے جب یہ دیکھا کہ ان کے تمام تر مظالم اور اذیتوں کے باوجود اسلام تیزی سے پھیلنے لگا ہے اور لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ بنو ہاشم کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے جس کا مطلب ہے کہ خاندانِ بنو ہاشم سے کسی بھی طرح کا لین دین تعلق بالواسطہ، معاشی تعلق قائم نہ رکھا جائے۔ اس غرض سے تمام قبائل قریش مکہ نے ایک معاہدہ (۱) تحریر کیا اور اِسے خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا۔

ابو طالب تمام خاندان کو ولے کر شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندانِ بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ خاندان ہاشم نے تین سال (۲) یہاں بسر کیے اور ایسی ایسی صورتحال کا سامنا کیا کہ کوئی اور ہوتا تو اس دباؤ کے نتیجہ میں گھٹنے ٹیک دیتا۔ مگر اِس خاندان کے کسی ایک فرد کا ارادہ ذرا بھر بھی متزلزل نہ ہوا۔ تاریخی کتب میں ذکر ملتا ہے کہ ان افراد نے پتے کھا کر گذارا کیا۔ اس سلسلے میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات میرے ہاتھ میں سوکھا ہوا چمڑا آ گیا تو میں نے اِسے پانی سے دھویا آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھا گیا۔

غرضیکہ کچھ لوگ جو کہ قریش قبائل سے تھے اِن کے دل میں کوئی ہمدردی کا جذبہ جاگا اِن میں سے مطعم بن عدی نے ابوجہل سے خاصی تکرار

---

(۱) معاہدہ تحریر کرنے والے کا نام ''منصور بن عکرمہ'' سیرت النبی از شبلی نعمانی جلد اوّل صفحہ ۱۴۸۔

(۲) علامہ شبلی نعمانی نے شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہونے کا سن ۷ نبوی لکھا ہے۔

کے بعد معاہدہ چاک کر دیا اور یہ افراد مطعم بن عدی، اعدی بن قیس، ابوالبختری سب بنو ہاشم کے پاس گئے اور انہیں درہ سے نکال لائے۔ ⁽¹⁾

سن ۱۰ نبوی میں بنو ہاشم شعب ابی طالب سے باہر آئے ہیں۔ اسی سنِ نبوی میں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال اور کچھ عرصہ بعد اسی سن میں جناب ابو طالب بھی راہ عدم کو سدھار گئے۔ آپ کو ان شخصیات کے چلے جانے کا شدید دُکھ ہوا۔ آپ نے اِس سال کو عام الحزن ⁽²⁾ قرار دیا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے قبولِ اسلام کے بعد مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت میں ہمت و حوصلہ پیدا ہوا اور وہ اپنی عبادت اور تبلیغ اسلام کھلے عام کرنے لگ گئے۔ مگر قریش اس صورتحال میں خاموش بیٹھنے والے نہ تھے۔ انہوں نے جبر و تشدد میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اس میں جناب حضرت بلال رضی اللہ عنہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام) کو خاص تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اُن کے عزیز و رشتہ داروں کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں کہ وہ اس نئے دین (اسلام) کو چھوڑ کر اپنے آباوَ اجداد کے دین پر واپس آ جائیں۔ مگر جو کلمہ حق ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا وہ ذرا بھی کم نہ ہو سکا۔ ان کے حوصلے کسی طرح بھی پست نہ کیے جا سکے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار قریش نے طرح طرح سے اذیتیں و پریشانیاں دیں جب اِن سب سے کام نہ بن سکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیاوی مال و دولت کا لالچ دیا گیا۔ جب قریش اپنے تمام حربے آزما چکے اور کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش تیار کی گئی۔

⁽¹⁾ سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری۔ ⁽²⁾ غم کا سال۔

ابوجہل کی ناپاک سازش:

ابوجہل نے قریش قبائل کے دیگر رؤسا و سرداران کے ساتھ مل کر ایک ناپاک سازش تیار کی کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک جوان چن لیا جائے اور ان تمام کو جناب مصطفیٰ ﷺ کے قتل کرنے پر مامور کیا جائے۔ اس طرح کسی ایک قبیلہ پر ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور بنو ہاشم سب قبائل سے بدلہ لینے کے قابل نہ ہونگے اور بعد کی صورت حال خون بہا کے طور پر طے پا جائے گی۔ جب ابوجہل نے اس ناپاک منصوبے کے لیے قریش سرداروں کو اکٹھا کیا تو ملعون شیطان بھی ایک قریش سردار کے بھیس میں ان میں شامل ہو گیا جس نے ایک انتہائی خوبصورت اور باوقار رئیس قریش کا حلیہ اختیار کیا ہوا تھا۔ جب نبی ﷺ کے بارے میں مختلف مشورے دیے جا رہے تھے تو یہ رئیس (شیطان) خاموش رہا سب اس سے مرعوب نظر آتے تھے۔ ایک دوسرے سردار نے مشورہ دیا کہ محمد ﷺ کو مکہ سے نکال دیا جائے مگر اس شیطان نے تائید نہیں کی مگر جونہی ابوجہل نے حضور ﷺ کو قتل کا ناپاک منصوبہ پیش کیا تو اس نے فوراً اس کی تائید کی۔ اس طرح یہی تمام رؤسا و امراء قریش میں متفقہ ٹھہرا۔[1] جب تمام قریش قبائل کے جوانوں کی منتخب ٹولی نبی ﷺ کے گھر کے باہر رات کو ٹھہری رہی تاکہ اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہو سکے۔ یہاں تحریر کو روک کر ایک وضاحت درپیش ہے کہ جب قریش نے اپنے مظالم کی انتہا کر دی تو مسلمانوں نے مدینہ کی جانب ہجرت شروع کر دی اور ایک خاصی تعداد مدینۃ النبی میں جمع ہو گئی۔ مدینہ میں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد پہلے سے ہی موجود تھی جو کہ مدینہ کے شہری تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے

[1] سیرت ابن ہشام۔

بارے میں پتہ چلتا ہے کہ جب یہ مکہ مکرمہ حج یا کسی اور غرض سے آتے تو اِن کی ملاقات محمد ﷺ سے ہوتی جو کہ دین اسلام کی تبلیغ کر رہے ہوتے اور اس سلسلہ میں دور دراز سے آئے ہوئے قافلوں/قبیلوں کے پاس جاتے اور دین الٰہی کے بارے میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان فرماتے۔ اسی دوران مدینہ سے آئے ہوئے لوگ بھی آپ کی باتیں سنتے اور اس کا اثر لیتے اور کلمہ حق کا اقرار کرتے۔ یہ لوگ مدینہ واپس جا کر اپنے دوست، احباب، رشتہ داروں کو بھی اس دین حق کے بارے میں قائل کرتے اس طرح مدینہ میں دین اسلام کے ماننے والوں کی ایک خاصی تعداد جمع ہو گئی اور جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو وہاں کے مسلمانوں نے ان کا خیال رکھا اب تک اکثر مکہ کے مسلمان ہجرت کر چکے تھے اب یا تو وہ رہ گئے تھے جو قریش سرداروں کے غلام تھے یا جن کے پاس سفر کے وسائل نہ تھے۔ محمد ﷺ اور آپ کے قریبی رُفقا نے بھی ابھی تک ہجرت نہ کی تھی۔ جبکہ مسلمانِ مکہ کی اکثریت مدینہ جا چکی تھی۔ اسی صورتحال کے پیش نظر قریش کو یہ بات کھٹکی کہ مسلمان وہاں (مدینہ) میں جمع ہو کر ایک طاقت کی صورت اختیار کر جائیں گے جو کہ مکہ کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنی طرف سے بر وقت قدم کے طور پر نبی ﷺ کے ناپاک قتل کا منصوبہ تیار کیا تاکہ آپ مدینہ جا کر مسلمانوں کی راہنمائی نہ کر سکیں۔ لگتا یہ ہے کہ جیسے قریش نے اِس صورتحال کی روک تھام کے بارے میں دیر سے سوچا کیونکہ اکثر مسلمان مدینہ ہجرت کر چکے تھے۔ نبی ﷺ کو اللہ کے حکم کا انتظار تھا۔ آپ کے رفیق جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کے لیے زور دیا تو آپ ﷺ نے کہا اے ابوبکر! ذرا صبر کرو تم ہجرت میں اپنے ہمراہ بہتر ساتھی پاؤ گے تو اس پر حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر وہ رفیق آپ ﷺ ہی ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہاری دُعا قبول ہوئی اللہ نے ہجرت کا حکم دے دیا ہے اور اس میں تم میرے ساتھی ہو گے۔ اب یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ آپ ﷺ کے بستر پر رات کون گزارے کیونکہ محمد ﷺ قریش کے منصوبے سے بھی اللہ کے حکم سے پوری طرح آگاہ ہو چکے تھے۔ قارئین کرام اسلام کی ابتداء ہے اور اس قدر اہم اور خطرناک صورتحال درپیش ہوئی کہ حضور ﷺ کے بستر پر سونے کا مطلب ہے کہ زندگی داؤ پر لگانا اب ایسا کون ہوگا جو موت کو اپنے سامنے دیکھتے ہوئے اسے گلے لگا لے۔ اب دیکھئے شیر خُدا کا لقب ایسے ہی نہیں ملا کرتا اس پُر خطر صورتحال میں حضرت حیدر کرار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے بستر پر رات بسر کرنا قبول کیا۔ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ رات میرے بستر پر سو رہنا اور سبز چادر اوڑھ رکھنا دشمن تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور مدینہ ہجرت سے پہلے وہ تمام امانتیں جو لوگوں نے میرے پاس رکھوائی ہیں اُنہیں لوٹا کر آنا۔

آقائے دو جہاں محمد ﷺ کی ہر ادا پہ قربان کہ جو دشمن آپ کی جان کے در پہ ہے آپ کو اُن کی امانتوں کی واپسی کی فکر ہے۔ جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کے بستر پر آپ کی سبز چادر اوڑھ کر سو رہتے ہیں۔ دوسری جانب ابوجہل کے ناپاک منصوبہ کے تحت تمام قریش قبائل کی منتخب ٹولی آپ کے گھر کو گھیر لیتی ہے اسی اثناء میں آپ ﷺ گھر سے نکلتے ہیں تو ابوجہل تمسخر بھرے انداز میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ "محمد ﷺ کہتا ہے کہ اگر اِس کی بات مان لیں تو جنت ملے گی اور دُنیا میں تمام عرب اور غیر عرب کی بادشاہت ملے گی اور اگر اس کی بات نہ مانی تو روز آخرت دوزخ میں

جلو گے۔"

اسی اثنا میں رحمت العالمین نبی ﷺ کمرے سے باہر آتے ہیں آپ کے ہاتھ میں مٹی تھی آپ ﷺ نے ابوجہل کے ان الفاظ کے بدلے میں کہا کہ: "تم بھی اُن میں سے ایک ہو" اور مٹی اُن کے سروں پر ڈالتے ہوئے اور سورت یٰسین کی آیات مبارکہ (۱ تا ۹) تلاوت فرماتے ہوئے بخیر و عافیت مدینہ کی جانب رُخصت ہوئے۔ جب اُنہوں نے اندر جا کر چادر ہٹا کر دیکھا تو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ جناب مرتضیٰ کو حضور ﷺ کے بستر پر پا کر قریش کے سارے منصوبے پر پانی پھیر گیا۔ اس کے بعد جناب علی رضی اللہ عنہ تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر کے دو یا تین دن کے بعد مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔

علامہ اقبال کے ایک شعر کا مصرع شاید ایسی ہی عظیم ہستیوں کے بارے میں ہے کہ:

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

"اللہ کے شیر خوف و ڈر سے ناواقف ہیں۔"(۱)

کچھ مفسرین قرآن نے سورۃ بقرہ کی آیت مبارکہ ۲۰۷ کو آپ کے اسی عمل کے جواب میں اللہ ربّ العزت کی طرف سے پذیرائی کے طور پر پیش کیا ہے۔

"اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ بیچتا ہے جان اپنی کو واسطے چاہنے رضا مندی اللہ کے اور اللہ شفقت کرنے والا ہے ساتھ بندوں کے۔" (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۰۷)

ثعلبی اور امام غزالی نے واضح طور پر اس آیت قرآنی کو اللہ ربّ العزت کی طرف سے آپکے اس عمل (یعنی ہجرت کے وقت محمد ﷺ کے بستر

---

(۱) (The Tradgedy of Muslims) by Maulana Wahiduddin Khan مسلمانان ہند کی حالت زار پر خیالات وتبصرہ۔

پر رات گذارنے کو) کی پذیرائی کے طور پر بیان کیا ہے۔

جب کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچے تو حضور ﷺ نے اُن کے درمیان مواخات قائم کی۔

حضور ﷺ نے اُن کے درمیان مواخات:

یعنی بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا اور اس کے لیے حضور ﷺ ایک شخص مہاجر اور ایک انصار میں لیتے اور اُن کو بھائی بنا دیتے۔ اس طرح تمام حاضرین میں مواخات کا یہ رشتہ قائم ہو گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سب کو مواخات کے رشتہ میں باندھ دیا مگر میرا کوئی بھائی نہ بنایا۔ آپ ﷺ نے انتہائی محبت بھرے انداز میں ارشاد فرمایا: ''اے علی! تم دُنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔''(۱)

قارئین یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ آقائے دو جہاں کسی کو اپنا بھائی بنا رہے ہیں اور وہ بھی دُنیا اور آخرت کے لیے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت محمد ﷺ کے تو چچا زاد بھائی تھے ہی مگر اس واقعہ کی مناسبت سے یہ بات کہ علی تم دُنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک خاص مقام عطا کر دینے کے لیے تھا۔ شب و روز اسی طرح گذرتے گئے اور محمد ﷺ نئے دین کی تبلیغ و ترقی کے لیے پورے جوش و جذبے سے پیہم عمل رہے۔ آپ ﷺ ہر لمحہ ہر گھڑی اسلام کی سر بلندی اور اسے پھلنے پھولنے کے متعلق ہی سوچتے اور اِس پر عمل پیرا ہونے میں لگے رہتے۔

(۱) سیرت ابن ہشام۔

جنگ بدر سے قبل:

نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ لشکر قریش جنگ کی نیت سے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے مکہ سے روانہ ہو چکا ہے تو حضور ﷺ نے اس حملہ کے منہ توڑ جواب کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کا تفصیلاً اور سیاق و سباق کے ساتھ احوال کچھ یوں ہے کہ موسمِ سرما ۶۲۳ھ میں ابوسفیان جو کہ قریش مکہ کا ایک بڑا سردار تھا کی سربراہی میں ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا اور اس قافلہ کو ۶۲۴ھ کے موسمِ بہار میں واپس آنا تھا۔ اسی سال مارچ کے پہلے ہفتہ میں حضرت علی اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کی حضرت محمد ﷺ نے یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ علاقے کے متعلق باخبر رہیں اور ابوسفیان کے قافلے کی حرکت ہر نظر رکھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ قافلہ مقام بدر کے نزدیک پہنچ گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات سے محمد ﷺ کو باخبر کیا تو حضرت محمد ﷺ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دی اور ۳۱۴ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام تک پیش قدمی کی۔

ابوسفیان جو کہ قریش کا ایک منجھا ہوا سردار تھا اس کیفیت کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا اور اس کے تدارک کے لیے کچھ آدمی مکہ کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑائے کہ قریش کی فوج کو فوری اِس مقام پر بھیجے تا کہ وہ اس کو ہمراہ کر لیں۔ قریش نے ایک ہزار جرار نوجوانوں کی مسلح فوج تیار کی اور انتہائی برق رفتاری سے سفر طے کرتے رہے تا کہ جلد از جلد ابوسفیان کے کارواں سے مل سکیں۔

اُدھر جب مسلمانوں کا لشکر مقام بدر پر پہنچا تو دیکھا کہ ابوسفیان کا

کارواں بدر کے مقام سے نکل چکا ہے۔

ابوسفیان جب اپنے قافلے کے ساتھ مکہ کے راستے پر لشکر قریش سے ملا تو ابوجہل اور دوسرے اکابرین مکہ کو کہا کہ اب خطرہ ٹل چکا ہے واپس مکہ کی راہ لیتے ہیں۔ مگر ابوجہل جو کہ اِس لشکر کی قیادت کر رہا تھا سوچا کہ یہ ایک بہترین موقع ہے کہ مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جائے (نعوذ باللہ)۔ابوجہل نے ابوسفیان کے مشورے کو رد کرتے ہوئے لشکر کو حُکم دیا کہ مدینہ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی جائے۔ ابوسفیان نے بہرحال اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتے ہوئے مکہ کی طرف سفر جاری رکھا۔ افواج قریش اپنی طاقت کے نشہ میں بدمست ہاتھی کی طرح مدینہ کی طرف پیش قدمی کرتی رہیں۔

تاریخ دان اِس جنگ کے حوالے سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ جنگ بدر قریش اور مسلمانوں کے بیچ ایک بڑا معرکہ تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی چھوٹی موٹی جھڑپیں ۶۲۳ء اور ۶۲۴ عیسوی کے اوائل تک ہوتی رہی تھیں۔ لیکن جنگ بدر ایک عدوی لحاظ سے بڑا معرکہ تھا۔ جس نے کہ حضور ﷺ کی فہم وفراست اور ہمت و بہادری کو دور دور تک پھیلا دیا اور مسلمانوں کے لیے اس جنگ کی فتح حیات افروز ثابت ہوئی۔ اِس فتح نے جذبہ اسلامی میں ایک نئی روح پھونک دی۔

جب محمد ﷺ کو خبر ملی کہ مکہ سے ایک بڑا لشکر اِس جانب بڑھ رہا ہے تو حضور ﷺ نے بھی اپنی جنگی تیاریوں کو حتمی شکل دینا شروع کر دی اس سلسلہ میں سب سے پہلے بدر کے مقام پر پانی کے کنوؤں پر قبضہ کیا گیا اور نسبتاً اُونچی جگہ کا انتخاب کیا گیا۔

قریش کی فوج نے ۱۷ مارچ ۶۲۴ء کو حملہ کا آغاز کرتے ہوئے اپنے

لشکر سے مضبوط طاقت ورترین اور عرب کے ماہر افراد جو کہ قریش قبائل سے تھے۔ دو بدو جنگ کے لیے میدان میں نکالا جن کے نام ولید، عتبہ اور شعیبہ۔

سرجان گلب نے اس جنگ کے حوالے سے یوں لکھا ہے کہ قریش نے اپنے نامور جنگجو میدان میں اُتارے اور اسلامی لشکر کی جانب سے انثار میدان میں آئے تو قریش نے یہ کہہ کر انہیں واپس جانے کو کہا کہ قریش ہی ہمارے مقابل آئیں یہ (انثار) ہمارے پائے کے نہ ہیں تو اس کے جواب میں محمد ﷺ نے انہیں واپس بلا لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ ابن حارث رضی اللہ عنہ کو ان کے مقابل بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ ہی دیر ولید کو قصہ تمام کر دیا اور اسے واصلِ جہنم کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں عتبہ کو ختم کیا۔ مگر اسلامی لشکر کے تیسرے جانبار حضرت عبیدہ ابن حارث رضی اللہ عنہ، شعیبہ کے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر شعیبہ کا خاتمہ کیا۔

(Sir John Glubb, The Great Arab...., 1963)

اس دو بدو مقابلہ کے ختم ہوتے ہی عام جنگ کا آغاز ہوا اور دونوں لشکروں نے ایک دوسرے پر تیراندازی شروع کر دی۔

اس معرکہ حق و باطل کے بارے میں قرآن کریم میں بھی آیا ہے کہ فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لیے جنگ بدر میں بھیجا گیا۔

یہ جنگ کافی مختصر ثابت ہوئی اور چند گھنٹوں میں ہی اس کا فیصلہ اس طرح ہوا کہ کفار قریش جذبہ اسلامی کی تاب نہ لاتے ہوئے میدان سے اکھڑ گئے اور فرار حاصل کیا۔ اِس طرح مسلمانوں کو اس جنگ میں ایک عظیم فتح حاصل ہوئی۔

اس غزوہ کے بارے میں مورخین اور احادیث کی کتب سے یہ تفصیل ملتی ہے کہ کفار قریش کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر زخمی ہوئے۔ جبکہ مسلمانوں کے چودہ جوان شہید ہوئے۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ کفار جہنم واصل کیے۔ یہ صرف وہ ہیں جو قریش کے نامور جنگجو جوان ہیں اور دورانِ جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل آئے اور واصل جہنم ہوئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس جنگ میں کردار انتہائی اہم اور نمایاں رہا۔ مغربی مفکرین لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک جنگجو کے طور پر پہلی دفعہ اس جنگ میں دیکھا گیا اور کمال بہادری، جوانمردی اور شیر دلی سے حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قریش مکہ کی فوج کی صفوں میں گھس گئے اور انہیں تہہ تیغ کرتے چلے گئے۔

ایک جگہ یہ بھی تحریر ہے کہ جھنڈا اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تھاما ہوا تھا اور یہ بات بعد کی جنگوں سے ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سربلند کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں اُترتے تھے۔

علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس بات پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ لشکر اسلام یہ خبر پا کر کہ قریش جنگ کی غرض سے ایک جرارِ فوج کے ساتھ مدینہ کی طرف چڑھے آتے ہیں۔ مدافعت کے پیش نظر مدینہ سے ۸۰ میل دور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ نہ کہ جس طرح مختلف تواریخ میں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمان ابو سفیان کے قافلہ کو لوٹنے کی غرض سے اس طرف آئے تھے۔ چنانچہ اس واقعہ کو ان الفاظ کے ساتھ امام احمد حنبل نے مسند میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابن جریر نے تاریخ میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور اس کو "صحیح" کہا ہے اور

اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ علی بن ابی طالب ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب ہم مدینہ آئے تو وہاں پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے اس لیے ہم لوگ بیمار ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کا پوچھا کرتے، جب ہم کو خبر ملی کے مشرکین آ رہے ہیں۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔

یہ تو تھا جنگ بدر کا احوال جو کہ مسلمانوں کی فتح کے ساتھ ختم ہوا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سید حمید اختر (ماہر امراض دل ٹیکساس) اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کردار جنگ میں نمایاں تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ جنگ بدر کی فتح کے سلسلہ میں ایک نام لیا جائے تو وہ نام یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی ہو گا جنہوں نے اپنی تلوار سے ۳۶ کفار قریش کو جہنم واصل کیا۔ جبکہ کل کفارِ قریش کی فوج میں جو آدمی مارے گئے اُن کی تعداد ۷۰ بتائی جاتی ہے۔

Tod Andre نے اپنی کتاب (Mohammad The Man and his Faith, 1960) میں یہ تعداد ۲۲ بتائی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۲۲ کفارِ قریش کو جہنم واصل کیا۔

صحیح بخاری سے حوالہ جات:

ابو مجلدز سے روایت ہے کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میں پہلا ہوں گا جو روز قیامت گھٹنوں کے بل جھک کر اللہ تعالیٰ سے اپنا فیصلہ وصول کروں گا۔" قیس بن عبید نے مزید بیان کیا کہ آیت قرآنی "دو مخالف گروہ

ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں اپنے ربّ کے بارے'' قیس مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ ہیں جو کہ جنگ بدرِ میں کفار سے مقابل رہے۔ جن میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

(Book 59 Hadith 304, 22:19)

لشکر قریش اس شرمناک شکست کی ہزیمت کے ساتھ مکہ کی طرف لوٹا غزوہِ بدر کی عظیم فتح ماہِ رمضان المبارک ۲ھ کو مسلمانوں کو نصیب ہوئی اور اسی سال ماہ ذی الحجہ میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی بابت یوں قلمبند کیا ہے کہ جب فاطمۃ الزہرہ کی عمر تقریباً ۱۸ برس کی ہوئی تو شادی کے پیغام آنے لگے۔ جن میں نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی پیغام شامل تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیتے ہوئے انہیں رد کر دیا کہ جب تک اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے حکم رّبی نہ ہو گا۔ تب تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم نے درخواست پیش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق دریافت کیا تو وہ خاموش رہیں۔ تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درخواست کو منظور فرمایا اور اس طرح شادی کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے علی رضی اللہ عنہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے بولے کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری زرہ کیا ہوئی۔ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ بیچ کر حق مہر ادا کیا اور شادی کے دیگر اخراجات کیے۔ اس مقدس بارات کے حوالے سے ایک بات قابلِ غور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رتبہ ملاحظہ ہو۔ جیسے کہ حضور

ﷺ کو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغامات آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا جب اللہ عزوجل کا حکم ہوگا تو فاطمہ کی شادی کا فیصلہ کرونگا اور فاطمہ کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انجام پائی۔ دوسری بات یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محمد ﷺ نے جب یہ دریافت کیا کہ تمہارے پاس مہر کی رقم ادا کرنے کے لیے کچھ ہے تو علی نے کہا کچھ نہیں۔ اس میں کچھ لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اے علی تم اپنی ذرہ بیچ کر اس کا اہتمام کرو کیونکہ ذرہ تو تم استعمال نہیں کرتے۔'' قارئین! محمد ﷺ کے اِن الفاظ سے اندازہ کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت، بہادری اور جوانمردی کہ بغیر ذرہ کے دشمن کے لشکر کی صفوں میں گھس جانا اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے اسلامی لشکر کو فتح دلانا یہ شجاعت اور دلیری کی انوکھی مثال ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی جنگ میں زرہ استعمال نہ کی۔

علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی ﷺ میں کیا خوبصورت بات لکھ گئے کہ حضور ﷺ نے رخصتی کے وقت فرمایا کہ اے فاطمہ! میں نے اپنے خاندان کے افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آگے جا کر یہ بھی ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا اور پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بھی پانی چھڑکا۔

غزوۂ اُحد:

قریش غزوۂ بدر میں اٹھائے ہوئے غم کو بھلائے نہ بھولتے تھے اور آخرکار تقریباً ایک سال کے بعد شوال ۳ ہجری کو جنگ بدر میں کھائی ہوئی ذلت آمیز شکست کا بدلہ چکانے کی خاطر مسلمانوں سے جنگ کے لیے اکٹھے ہوئے

اور مدینہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اسلامی لشکر کو اکٹھا کیا اور کفار قریش سے مدینہ کے باہر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہِ احد کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ حضرت محمد ﷺ نے احد کو پشت پر رکھتے ہوئے صف آرائی کی۔

جب فوجیں ایک دوسرے کے بہ مقابل صف آراء ہو چکیں تو قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا ''کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے کہ یا مجھ کو دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت پہنچ جائے۔'' طلحہ قریش کا انتہائی جری اور بہادر جوان تھا اور لوگ اس کا مقابلہ کرتے گھبراتے تھے۔

اس کے اِس طعنہ کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صف سے نکل کر کہا ''میں ہوں'' اور ایک ہی وار کیا کہ طلحہ کی لاش زمین پر پڑی تھی۔

سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی نے اس جنگ کا ابتدائی نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے کہ جب عام جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ فوجوں کے دل میں گھسے اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں۔

علم برداروں کے قتل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو دجابہ رضی اللہ عنہ کے بے پناہ حملوں سے فوج قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب The Life of Muhammad میں لکھا ہے کہ افواجِ مکہ کا علم طلحہ کے ہاتھ میں تھا اور جب وہ علم لے کر صف سے نکل کر للکارا کے کون ہے جو مجھے قتل کر کے دوزخ بھیج دے یا میرے ہاتھوں مر کر جنت میں چلا جائے۔'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا

کہ ''میں ہوں'' اور ایک ہی وار میں اس کا قصہ تمام کر دیا۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آٹھ علم برداروں کو تہ تیغ کیا جو ایک کے مارے جانے کے بعد علم کو تھام کر آگے بڑھتے تھے۔

ابن اثیر ایک مشہور عرب تاریخ دان نے اپنی کتاب تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ وہ شخص جس نے مکہ کے علم برداروں کو جہنم واصل کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

سر جان گلب نے اپنی کتاب (The Great Arab Conquest, 1963) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رول کو کچھ یوں بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور جنگ بدر کی طرح بہادری اور دلیری کے جوہر دکھانے لگے۔ جس کے نتیجہ میں لشکرِ قریش نے پسپائی کرنی شروع کی اور یہ جنگ بھی مسلمانوں کی فتح کے قریب تھی کہ لشکر اسلام کے تیر اندازوں (جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہاڑی پر اس حکم کے ساتھ تعینات کیے تھے کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو یہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں گے۔) یہ دیکھتے ہوئے کہ افواجِ قریش شکست کھا کر پسپا ہو رہی ہیں۔ مال غنیمت کی طرف بھاگے اور اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے خالد بن ولید نے اپنے گھڑ سوار دستے کے ساتھ لشکر اسلام پر پہاڑی کا چکر کاٹتے ہوئے حملہ کیا تو اسلامی فوج یوں بدحواس ہوئی کہ اُنہوں نے اپنوں ہی کو مارنا شروع کر دیا۔ اسلامی لشکر پر لگتا تھا کہ آفت ٹوٹ پڑی ہو اور اِس طرح تتر بتر ہوئی کہ کئی مسلمان شہید ہو گئے۔

تاریخ طبری، امام جلال الدین سیوطی اور امام فخر الدین رازی نے بھی درج بالا بیان کو اپنی کتابوں میں قلمبند کیا ہے اور مزید کہا ہے کہ اس صورتحال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رُفقا بھی اپنی جانیں بچانے کی خاطر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

علامہ بلدزری نے اس کیفیت کی بابت ایک مسلمان فوجی کا احوال کچھ اس طرح بیان کیا کہ ”میں خوف زدہ ہو کر بھاگا کہ تیزی کے ساتھ ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور حالت ایک بکری کی سی تھی۔“

اس ناگہانی کیفیت اور پریشان حالت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ صرف دس جواناں اسلام رہ گئے تھے اور ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب سے نمایاں تھے جو کہ دشمنوں کے پے در پے وار جو کہ محمد ﷺ پر تھے روکتے اور انہیں پسپا کرتے۔ اس دوران محمد ﷺ علی کو حکم دیتے علی ادھر حملہ کرو علی انہیں پسپا کرو علی اِدھر آؤ علی اُدھر جاؤ۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۱۷ زخم آئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کو جب بحفاظت ایک پہاڑی پر پہنچا دیا تو مسلمانوں کو با آواز بلند بتانا شروع کیا کہ محمد ﷺ زندہ ہیں اور خیریت سے ہیں۔ تم اکٹھے ہو جاؤ۔ تب اسلامی لشکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس پکار پر لبیک کہا اور لشکر قریش کو پسپا کر دیا۔

غزوہ اُحد کے بارے میں کئی اور بیان بھی تاریخ کے اوراق پر ملتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار جب نبی آخر الزمان ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے ٹوٹ گئی تو حضور ﷺ نے اپنی تلوار دی۔ جسے ذوالفقار کہا جاتا ہے اور یہ بھی بیان راویوں کے حوالے سے اکثر جگہ ملتا ہے کہ آسمان سے ندا آئی لافتی الا علی لاسیف الاذوالفقار کہ ”کوئی جوان نہیں سوائے علی کے اور نہیں کوئی تلوار سوائے ذوالفقار کے۔“(۱)

---

(۱) تاریخ طبری جلد ۳، صفحہ ۱۷

صحیح بخاری، صحیح مسلم میں یہ بھی درج ہے کہ جب حضور ﷺ اس جنگ میں زخمی ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی بھر کر لاتے اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ حضور محمد ﷺ کے زخم دھوتی رہیں۔ لیکن خون نہ تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً بند ہو گیا۔

اس غزوہ میں اسلامی لشکر کی تعداد ۷۰۰ سے ۱۰۰۰ تک بتائی جاتی ہے جس میں جنگ کے اختتام تک ۷۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور قریش کے ۴۴ آدمی مارے گئے۔ ہندہ نے اپنی والد عتبہ کا بدلہ لینے کی خاطر ایک حبشی جس کا نام وحشی تھا کو آزاد کرنے کا کہہ کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا کہا وحشی نے جنگ کے دوران موقع پا کر نیزہ سے وار کر کے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ ہندہ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ بھی کیا اور کلیجہ نکال کر چبایا۔ اسی طرح اس جنگ کا دلخراش اختتام ہوا۔ گو کہ قریش اپنے ناپاک ارادہ میں ناکام ہوئے مگر پھر بھی مسلمانوں کو کافی نقصان دے گئے۔

اس جنگ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت، بہادری اور ثابت قدمی قابل دید رہی۔

جنگ احزاب یا جنگ خندق:

جنگ اُحد کے بعد مسلمان کئی ایک معرکوں میں یہودیوں سے نبرد آزما رہے مگر کوئی بڑی عددی جنگ پیش نہ آئی آخرکار یہودیوں نے ایک بڑی سازش تیار کی اور قریش مکہ کو بھی اس کا حصہ بناتے ہوئے دوسرے قبائل کو بھی آمادہ کیا کہ مدینہ پر مشترکہ طور پر چڑھائی کی جائے۔ اس غرض سے یہ مشترکہ افواج کا لشکر مسلمانانِ مدینہ کے خلاف ذوالقعدہ ۸ ہجری کو صف آراء ہوا اور

مدینہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ حضور ﷺ نے اس کی اطلاع پاتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صلاح مشورے شروع کر دیے۔ کفار کا یہ مشترکہ لشکر تقریباً دس ہزار کی نفری پر مشتمل تھا اور اس سے مقابلہ انتہائی دشوار دکھائی دیتا تھا اور اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے آقائے دو جہان محمد ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کہ ایک محفوظ مقام پر فوج اکٹھی کی جائے اور اس کے گرد خندق کھود کر اس کے اندر رہتے ہوئے مدافعت کی جائے کو پذیرائی بخشی اور ایسا ہی کیا۔ (۱)

کفار کا یہ لشکر خندق کے پار خیمہ زن ہوا۔ قریش کے سرداران اور یہودیوں کے کمانڈر انتہائی کوششوں کے باوجود بھی خندق کو پار نہ کر سکے۔ دور ہی سے تیر اور پتھر پھینکتے رہتے۔ جس سے کہ کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ آخرکار ایک جگہ سے خندق کو کم عریض دیکھتے ہوئے عرب کا مشہور پہلوان عمرو بن عبدود جو کہ ایک ہزار جوانوں کے برابر مانا جاتا تھا خندق کے پار آ گیا اور عرب کے دستور کے مطابق پکارا کہ کون آگے آتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا ''میں'' لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ لیکن عمرو کی آواز کا کسی طرف سے جواب نہ آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب تھا کہ ''میں'' تیسری دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی اور سر پر عمامہ باندھا۔ (۲)

---

(۱) محمد حسین ہیکل The Life of Muhammad۔

(۲) سیرت النبی ﷺ از سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی نعمانی۔

وہ مکالمے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم اور عمرو بن عبدود کے درمیان لڑائی سے پہلے ہوئے وہ کم و بیش تمام مورخین، محققین اور تاریخ دانوں نے قلمبند کیے ہیں۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دُنیا میں اگر کوئی مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک کو ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا واقعی یہ تیرا قول اور پھر یوں مکالمہ ہوا:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ: میں درخواست کرتا ہوں تو اسلام لا۔

عمرو بن عبدود: یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ: لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو بن عبدود: میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ: مجھ سے معرکہ آراء ہو۔

عمرو بن عبدود: ہنسا او کہا مجھے اُمید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ عمرو گھوڑے پر سوار تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ پیادہ تھے۔ عمرو نے یہ دیکھتے ہوئے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور پیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل آیا۔ عمرو نے کہا نام بتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے۔

عمرو بن عبدود نے کہا کہ میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا۔

بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ''میں تجھ سے لڑنا چاہتا ہوں۔'' پھر دو بدو لڑائی شروع ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اسے اُٹھایا اور مقابل آنے کو کہا پھر لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے وہ ضرب کاری دی کہ واصل جہنم ہوا اور اس کے ساتھ ہی کفار کے سرداران اور افواج کے حوصلے پست ہو گئے اور اسلامی لشکر

میں بھرپور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس جنگ میں گو کہ گشت و خون کے دریا نہیں بہے۔ مگر یہ جنگ اسلامی تاریخ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

اس جنگ کے بارے میں قرآنِ پاک کی سورۃ احزاب میں بھی آیا کہ:

"جبکہ دشمن اُوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آ پڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم خدا کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آیا اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے۔"

مسلسل فاقے، موسم کی سختی اور کئی امراء کی بے رخی بھی اس موقع کی وحشت اور خوفنا کی کو دوبالا کیے دیتی تھی اور قریش اور یہود کے لشکر اس طرح غرور میں ڈوبے ہوئے اور طاقت کے نشہ سے سرشار للکار رہے تھے کہ آج مکمل فتح کے بغیر نہ ٹلیں گے۔ مگر جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عمرو بن عبدود کا یہ حال دیکھا تو تمام غرور خاک نشین ہوا اور رگوں میں دوڑتا ہوا خون ٹھنڈا پڑ گیا۔ عمرو بن عبدود کے ختم ہوتے ہی نوفل آگے بڑھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

قابل غور نقطہ اس غزوہ کے بارے میں یہ کہ جب عمرو بن عبدود خندق کو پار کر کے آیا اور اُس نے مقابلے کیلئے للکارا تو اسلامی لشکر میں مکمل خاموشی طاری ہو گئی کہ ہوا کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس خاموشی کو توڑا تو کس نے شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس "ہاں" سے پریشان ہوئے اور انہیں روکا۔ مگر عمرو بن عبدود مسلسل پکارتا

رہا۔ مگر وہی سناٹا پھر آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ مجھے جانے دیں میں اس کا کام تمام کر کے آتا ہوں۔ کیونکہ اسلامی لشکر قریش کے سامنے عمرو بن عبدود کی سوال کا جواب نہ دے سکنے پر شرمار ہو رہے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ گوارا نہ تھا مگر سوچنے کی بات یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں روک رہے تھے۔ جواب اِس کا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ بدر کے معرکہ میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نہ رہے جنگ اُحد میں پیارے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا اور اب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان کے پیارے ہیں آخرکار انہیں خود عمرو بن عبدود سے مقابلہ کے لیے رُخصت کیا اور بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی ''یا اللہ علی کو فتح اور کامرانی عطا کر اِسے بحفاظت مجھے واپس ملا دے۔'' آگے کا احوال گزشتہ صفحات پر گذر چکا کہ کس طرح عمرو بن عبدود اور نوفل کا خاتمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں انجام پایا اور افواجِ قریش کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس جنگ کے ہیرو بھی حضرت علی ہی قرار پائے۔

صُلح حدیبیہ:

ذوالقعدہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمان عمرہ کی نیت سے خانہ کعبہ کا طواف کرنے مکہ کی جانب ۱۴۰۰ کی جمعیت کے ساتھ چلے اور بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہتھیار ساتھ نہ تھے صرف تلواروں کے اور وہ بھی نیام میں تھیں۔ مگر قریش کے امراء اور روساء نے طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس موقع پر دُنیائے عالم کا وہ پُراثر (Peace Pact) لکھا گیا کہ جس کو قرآن پاک نے فتح مبین

قرار دیا اور مبارک دی۔ اس صلح حدیبیہ کے معاہدے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ضبط تحریر میں لے کر آئے۔ احوال اس کا کچھ یوں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "باسمك اللّٰھم" لکھا جائے جو کہ عربوں میں قدیم الفاظ تحریر لکھتے ہوئے لکھے جاتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ایسا کر دیا۔ پھر آگے تحریر کیا ھٰذا ما قاضیٰ علیہ محمد رسول اللہ تو پھر سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو خُدا کا رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کس بات کا تھا لہٰذا یہ عبارت مٹا دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بار پر زور اصرار کیا کہ یہ نہ مٹے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایسا کر دیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ سے یہ نہ بن پائے گا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اسے مٹا دیا اور اس کی جگہ آپ کا نام محمد بن عبداللہ تحریر کیا گیا۔ اس سے قبل بیعت رضوان کا واقع بھی پیش آیا جب مکہ کے قریب پہنچ کر مسلمانوں کا یہ قافلہ رُکا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش سے بات چیت کے لیے بھیجا مگر اُنہیں کچھ دیر ہو گئی تو مسلمانوں میں یہ خبر گردش کرنے لگی کہ خدانخواستہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

تب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے تمام مسلمانوں سے جو اس وقت ہمراہ تھے عہد لیا کہ اگر ہم سے مقابلہ کیا گیا تو کوئی ساتھ نہ چھوڑے گا اور ہر کوئی استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دے گا۔ اسے تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنگ خیبر سے پہلے:

یہودی ہمیشہ سے عرب کی ایک بڑی اور طاقتور جماعت رہے تھے انہیں عرب میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ انہوں نے جب مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھا تو تمام مشرکین عرب کی جمعیت تیار کی جس کا حال ہم جنگ خندق میں دیکھ چکے ہیں۔

گو کہ مشرکین عرب کا یہ جم غفیر غزوہ احزاب (خندق) میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ مگر یہودی مسلسل مسلمانوں کے خلاف شر انگیزیوں میں مصروف رہے اور حیلے بہانوں سے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہے۔ ان کی اپنی خرافاتوں کے سبب حضرت محمد ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ان کا قلعہ قمع ضروری ہے۔ یہاں ایک اہم نقطہ جو کہ بڑے خوبصورت پیرائے میں مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب سیرت النبی ﷺ میں رقم کیا ہے۔ قارئین کی نظر کرنا اشد ضروری ہے جو یہ کہ:

> ”جنگ خیبر سے قبل جو بھی لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصل مقصد تبلیغ دعوت ہے اب اگر کوئی قوم اِس کو قبول نہ کرے تو اسلام کو نہ تو اس سے کوئی جنگ ہے نہ اُس کو رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو۔ اُس کو مٹا دینا چاہیے۔ چاہے تو

اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور
اُس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق
اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک ہے۔''

اس کتاب کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اس لیے واقعات کو مختصر کرتے ہوئے اس بات پر آتے ہیں کہ یہودیوں کے خیبر میں چھ قلعے تھے۔ سالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق اور مربط اور ان میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔

جب لشکرِ اسلام قلعہ خیبر پہنچا تو یہودی افواج نے طے کیا کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کی جائے۔ اس قلعہ کے بارے میں وضاحت کرتے چلیں کہ یہ عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار جوانوں کے برابر مانا جاتا تھا اس قلعہ کا رئیس تھا اور یہ قلعہ یہودیوں کے دیگر قلعوں کی بہ نسبت زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر تصور کیا جاتا تھا۔

تاریخ ابو الفداء (Vol Page 187) میں تحریر ہے کہ اس دن حضور ﷺ ناساز طبیعت کے باعث ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے خود علم ہاتھ میں لیا اور خیبر پر چڑھائی کی مگر ناکام لوٹے پھر ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا مگر کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

حضور ﷺ کو بعد میں اس صورتحال سے آگاہ کیا گیا اور اس کتاب میں یہ بھی کہا ہے کہ حضور ﷺ نے خود کسی کو علم نہیں دیا۔ صحابہ نے خود ہی اُٹھایا اور جوش اسلام میں اسے لیکر قلعہ خیبر کو فتح کرنے گئے مگر ناکام رہے۔

تاریخ ابن ہشام میں بیان ہے کہ جب حضور محمد ﷺ اس صورتحال سے پریشان ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ ''کل علم اُس شخص کو دونگا جس کے ہاتھ پر

اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور جو اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسول بھی اُسے دوست رکھتے ہیں۔"

کئی تواریخ میں یہ بھی درج ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "کل میں علم ایسے شخص کو دونگا جو کرار ہو گا اور بھاگنے والا نہ ہو گا۔ اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح عطا کرے گا۔" یہ حدیث ضعیف ہے اس حوالے سے پہلی حدیث ہی متفقہ طور پر درست تسلیم کی جاتی ہے۔

حضور ﷺ کی اس پیشین گوئی کے بعد صحابہ رات بھر جاگتے رہے اور تمنا کرتے رہے کہ کل علم اُنہی کو عطا ہو۔ مگر جب صبح ہوئی تو محمد ﷺ نے فرمایا کہ علی کدھر ہیں۔ جواب آیا کہ علی کو آشوبِ چشم ہے۔ وہ جنگ سے قاصر ہیں۔ حضور ﷺ نے انہیں طلب کیا تو حاضر ہوئے۔ محمد ﷺ نے اپنا لعابِ دہن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لگایا تو مرض اور علی بلکل تندرست ہو گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علم اُٹھا کر قلعہ خیبر کی طرف پیش قدمی شروع کی اور قلعہ کے قریب جا کر للکارا تو جواب میں یہودیوں کے جانباز سالار اور قلعہ کا امیر مرحب رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر آیا:

> "خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں دلیر ہوں اور فتح کے بغیر نہیں لوٹتا۔"

جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

> "میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں شیر نیستاں کی طرح خوفناک ہوں۔"

مرحب بڑے طمطراق سے آیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ہی وار

سے واصل جہنم ہوا۔ ذوالفقار اس کا سر کاٹتی ہوئی جبڑوں تک آ کے رُکی۔ کئی تواریخ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس زور کا وار کیا کہ مرحب نے ڈھال پر روکا مگر تلوار ڈھال کو چیرتی ہوئی مرحب کے سر کو کاٹ گئی۔ بعض روایات میں مرحب سے پہلے مرحب کے بھائی حارث سے مقابلہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ مرحب کے خاتمے نے اسلامی لشکر میں ایک نئی روح پھونک دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایسا زور کا حملہ ہوا کہ یہودیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مگر مسلمان فتح حاصل نہ کر پاتے کیوں کہ قلعہ کا دروازہ اتنا مضبوط تھا کہ ۴۰ آدمی اس کے کھولنے اور بند کرنے پر مامور تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک جھٹکے سے اکھاڑ پھینکا اور اسلامی لشکر قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔

اس طرح اسلام کو بڑی اور نمایاں کامیابی نصیب ہوئی اور اس کامیابی کا سہرا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ہی سجتا ہے۔

یہودی اس شرمناک شکست کے بعد جم نہ سکے اور دوسرے علاقوں کی طرف نکل گئے۔ جنگ کے اختتام پر سات جوانوں نے خیبر کا وہ دروازہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکھاڑ پھینکا تھا مل کر ایک کونے سے ہٹانے کی کوشش کی مگر اسے جنبش بھی نہ دے سکے۔ ①

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے اس واقعہ کی بابت کس خوبصورت انداز میں کہا ہے۔

تو ہی کہدے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے

شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے

① تاریخ طبری۔

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے

فتح مکہ:

رمضان ۸ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء مسلمانوں کی پے در پے فتوحات نے قریش کے پاؤں اکھیڑ کر رکھ دیے تھے۔ اب ان کے اندر اتنی سکت نہ رہی تھی کہ مسلمانوں کے جذبہ اسلامی کا مقابلہ کر سکیں۔ مگر مسلمانوں نے اس حال میں بھی صلح حدیبیہ کی پاسداری جاری رکھی جبکہ قریش نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شر انگیزیوں کے سوا کچھ نہ کیا۔ اب بھی قریش ہی کی جانب سے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی ہوئی۔ واقعہ اس کا یوں کہ بنو بکر جو کہ قریش کا حمایتی قبیلہ تھا بنو خزاع سے جنگ کی اور حدودِ حرم میں بھی ان کا خون بہایا۔ جب خزاع کے ناقہ سواروں نے مدینہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام واقعات سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت رنج ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے سامنے تین شرطیں رکھیں:

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے طاقت کے زعم میں کہا کہ تیسری شرط منظور ہے۔ اسی دوران مسلمانوں میں سے کسی نے خفیہ طور پر قریش مکہ کو خط ارسال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ خط چھین لائیں۔ اس طرح قریش اس بارے میں مطلع نہ ہو سکے۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مکہ کی جانب روانہ ہونے کا حکم دیا تو دس ہزار کی اسلامی فوجیں تیار تھیں۔ مکہ کی جانب پیش قدمی شروع کی گئی تو حضور ﷺ نے علم سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا مگر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ (۱)

مکہ سے کچھ فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا گیا۔ حضور ﷺ کے حکم سے تمام لشکر وادی میں پھیل گیا اور اپنی الگ الگ قندیلیں روشن کیں۔ اسی جگہ ابو سفیان اپنے دیگر دو روسائے قریش کے ساتھ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور دیگر روایات کے حوالے سے یہ ثابت ہے کہ اس نے اسلام قبول کیا چاہے متزلزل ہی تھا۔

حضور ﷺ نے ایک پراثر مختصر خطاب میں تمام اہلیان مکہ کو امان دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کعبہ میں داخل ہوئے اور تمام عہد جہالت کے بت گرا دیے۔ (۲)

آخر میں ایک بت جس کو کہ قریش تمام بتوں کا سردار مانتے تھے ہبل باقی رہ گیا جس کا کہ ابوسفیان نے جنگ احد کے اختتام پر بھی فخریہ انداز سے نعرہ مارا تھا۔ ''اولا ھبل (۳)'' وہ تعظیم کی خاطر قریش نے باقی بتوں سے اونچا رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میرے کندھوں پر چڑھ کر اس کو گرا دو تو تعظیماً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ میرے کندھوں پر چڑھ کر ایسا کر لیں۔ آپ ﷺ نے کہا اے علی! تم بارِ نبوت نہ اُٹھا سکو گے۔

---

(۱) ابن خلدون صفحہ ۸۰۶، تاریخ طبری۔

(۲) سیرتِ امام علی بن ابی طالب، سیرت امیر المومنین مترجم مفتی محمد حسین۔

(۳) ھبل کا بول بالا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے شانہ مبارک پر چڑھ کر ہبل کو پاش پاش کیا۔ یہ واقعہ تاریخ کی زیادہ روایتوں میں نہیں ملتا۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے شانہ مبارکہ سے نیچے اُترتے تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں اتنی بلندی سے اُترا مگر ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔ تو جواباً حضور ﷺ نے فرمایا ''اے علی! جب تم کو اٹھانے والا نبی محمد ﷺ اور اتارنے والا جبریل علیہ السلام تھے تو تمہیں تکلیف کیسے پہنچتی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی بابت یوں بیان کیا کرتے تھے کہ جب محمد ﷺ نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھایا تو مجھے ایسا لگا کہ آسمانوں کو چھو رہا ہوں۔ خانہ کعبہ کی صفائی کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دی تب حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ساتھ نماز ادا کی۔

غزوۂ حنین:

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ یہ غزوہ ۱۰ شوال ۸ ہجری کو لڑا گیا۔ ابن ہشام نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ لشکر اسلامی وادی حنین میں پو پھوٹتے پہنچا یہ وادی دروں اور تنگ راستوں پر مشتمل تھی۔ جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو قبیلہ ہوازن کے تیر اندازوں نے ایسی بارش کی کہ تمام لشکر تتر بتر ہو گیا بے شمار مسلمان نے اس جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ اسلامی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور جس کا جس طرف جی آیا بھاگ کھڑا ہوا۔ ہوازن نے اس بھاگے ہوئے لشکر کا پیچھا کیا اور بے دردی کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اس خوفناک صورتحال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم نے ایک انثار کے ساتھ اُس ہوازن کے گروہ کے سردار کا پیچھا کیا جو پسپا ہوئی اسلامی فوج کو بڑی طرح سے تہہ تیغ کر رہا تھا۔ یہ شخص ایک اونٹنی پر سوار تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اونٹنی کو ایک وار سے گرایا۔ جب ہوازن کا یہ جانباز پیادہ پا ہوا تو ذوالفقار کے ایک ہی وار سے جہنم واصل ہوا۔

اس صورتحال میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا:

''میں خدا کا نبی اور پیغمبر ہوں'' اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ با آواز بلند لشکر کو پکاریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں او گروہِ انصار او اصحاب شجر۔''

اس پُر اثر الفاظ کا کانوں پر پڑنا تھا کہ بکھرا ہوا لشکر اکٹھا ہوا اور اس زور کا حملہ کیا کہ ہوازن میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کردار انتہائی کلیدی رہا۔ جب تمام ساتھی جنگ کی غضبنا کی دیکھ کر بھاگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف چند صحابہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نمایاں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ہوازن کے سردار کو قتل کیا جو بھاگتے ہوئے اسلامی لشکر کو انتہائی نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس طرح لشکر اسلامی مزید جانی نقصان سے بچ گیا۔

غزوۂ تبوک:

رجب ۹ ہجری مطابق نومبر ۶۳۵ء

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ شہر کا امیر مقرر کیا اور باقی صحابہ اور لشکر کے ساتھ چل پڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا یا رسول اللہ! آپ مجھے کیوں چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اے علی! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہ

ہو گا۔''

اُوپر بیان کی گئی حدیث اکثر محدثین نے صحیح قرار دی ہے۔ اس حدیث کا شمار بھی متفقہ علیہ احادیث میں ہوتا ہے۔ اسی سال ذی العقد یا ذوالحج کو حضور ﷺ نے ۳۰۰ جمعیت کا قافلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں بھیجا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نقیب مقرر فرمایا۔ جب یہ قافلہ مکہ کے قریب پہنچا تو قاصد حکم رسول لے کر آیا جس میں لکھا تھا کہ سورت برأت کی آیات حضرت علی کرم اللہ وجہہ پڑھ کر سنائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر سورت برأت کی آیات تلاوت فرمائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں نہ داخل ہو سکے گا نہ اب کوئی برہنہ حج کر پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے۔ اُن کے نقض عہد کے سبب سے ٹوٹ جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کئی ایک چھوٹے سرویہ میں بھی لشکر اسلام کی سربراہی کرتے ہوئے کامیابیاں حاصل کیں اور اپنی بہادری کا اور جوانمردی کے جوہر دکھائے۔

سریہ علی بن ابی طالب الیٰ بن سعد:

۶ ہجری کو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے یہاں تک مقام پر پہنچ کر اُن پر حملہ کیا۔ بنو سعد میدان سے بھاگ نکلے۔ پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت ہاتھ لگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سایہ رحمت میں پرورش پائی تھی اس لیے بے شمار خصائص اور خوبیوں کے حامل تھے۔ غزوات اور سریات کا

باب چل رہا ہے اس حوالے سے یہاں بتانا ضروری ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن غزوہ یا سریہ میں شریک ہوئے۔ اسلامی تعلیمات کو حضور ﷺ کی ہدایات کے مطابق پوری طرح بروئے کار لائے۔ حضور ﷺ کے ایسے مواقع پر احکام اس طرح ہوتے تھے کہ عام رعایا کی خونریزی سے سختی سے اجتناب برتا جائے جو مدمقابل نہ آئے اس پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ عورتوں اور بچوں کو امان دی جائے اور لوٹ مار سے مکمل طور پر اجتناب برتا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک امیر لشکر کے رول کو ہمیشہ باوقار طریقے سے ادا کیا جس کا مظاہرہ ہم پچھلے صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔ مگر مزید وضاحت کے لیے ایک سریہ کا ذکر ناگزیر ہے۔ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد خالد بن ولید کو جزیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰ آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی تو واضح فرما دیا کہ دعوتِ اسلام مقصود ہے لڑائی مقصود نہیں۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے کام لیا ہے تو قبلہ رو کھڑے ہو کر کہا ''اے خدا! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔'' پھر حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا جنہوں نے ایک ایک بچہ کا خون بہا ادا کیا۔ (۱) اپنے حسن سلوک اور پراثر تعلیمات سے دعوتِ اسلام کو عام کیا۔

یمن کی مہم:

اسی طرح نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۱۰ ہجری میں تین سو سواروں کے ساتھ یمن بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انتہائی اعلیٰ اقدار اور خلوص دل سے وہاں کی رعایا کے دل جیتا لیے۔ کئی ایک

(۱) تاریخ طبری صفحہ ۱۶۵۱ جلد ۳۔

حلقہ با آغوش اسلام ہوئے۔

غزوات سریات کے بعد امن کا دور دورہ ہوا۔ حضور ﷺ نے مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اشاعت اسلام کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قبیلہ حمدان و حذیمہ و مذحج کی طرف بھیجا گیا۔ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمال فضیلت وحکمت و دانائی اور محبت و خلوص سے اسلام کو پھیلایا بے شمار لوگ آپ کی پُر اثر تعلیمات سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ صرف مذحج میں تھوڑی جنگی کشمکش کا سامنا ہوا۔ مگر بعد میں سارے کا سارا قبیلہ حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔

تبلیغ اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام حیاتِ مبارکہ میں جاری رہی۔ لوگ آپ کی اسوۂ حسنہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے گئے۔

یہاں غزوات سریات اور تبلیغ اسلام کا باب ختم ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ۹ ہجری تک کے اہم واقعات ان حوالات جات کی بہ نسبت رقم کر دیے گئے ہیں۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کی زندگی میں سب سے اہم مقام آتا ہے یعنی غدیر خم حجتہ الوداع۔

ذی الحج ۱۰ ہجری کو نبی آخر الزمان محمد ﷺ نے حج کیا اور اس موقعہ پر مختلف مقامات پر خطبے دیے جن میں اسلام کے مناسک اور احکام کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کرتے رہے۔

حج کے اختتام پر آپ ﷺ نے مدینہ المنورہ کی طرف مراجعت فرمائی راہ میں ایک مقام خم پڑا۔ یہاں ایک تالاب ہے۔ تالاب کو عربی میں غدیر کہتے ہیں۔ اس لیے اکثر روایتوں میں اس کا نام غدیر خم آتا ہے۔ آپ ﷺ نے

یہاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں کو جمع کر کے ایک اہم ترین خطبہ دیا۔

علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا شبلی نعمانی نے اس مختصر خطبہ کو ان الفاظ میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رقم کیا ہے۔

''حمد و ثناء کے بعد اے لوگو! میں بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خُدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خُدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیعت ہیں میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔''

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اِسی جگہ مولانا شبلی نعمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ احادیث کی مستند کتابوں نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں۔ جن میں ایک فقرہ سب کتب میں مشترک ہے۔

''جس کا میں مولا، اُس کا علی مولا الٰہی جو علی سے محبت رکھے اُس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اُس سے تو بھی عداوت رکھ۔''

خطبہ حجتہ الوداع کا باب اتنا وسیع ہے کہ اس پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں اور خاص طور سے اہل بیت کے حوالے سے غدیرخم کی حدیث نہایت اہم ہے۔ فخر الراضی نے تفسیر کبیر (۱) میں لکھا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج مکمل کر کے

---

(۱) جلد ۱۲ صفحات ۵۰، ۴۹۔

اٹھارہ ذوالحج کو مدینہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے کہ مسلمانان عرب کا مجمع غدیر خم کے مقام پر پہنچا (جو کہ اہل جعفہ کے نزدیک ہے) یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں سے مختلف راستے نکلتے تھے لوگ ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر اپنی اپنی راہ لیتے تھے۔ اس جگہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے نبی ﷺ! پہنچا دو جو تمہارے اللہ کی طرف سے تمہیں وحی کیا گیا ہے اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو تم نہ کچھ نہ پہنچایا (تمام) اور اللہ تمہیں دوسروں سے امان میں رکھے۔"

اُوپر بیان کیے گئے واقعہ غدیر خم کے اس حصہ کو اور اس آیت قرآنی کو اکثر محدثین محققین اور تاریخ دانوں نے کم و بیش انہی الفاظ میں بیان کیا ہے جن کی فہرست حاشیہ میں دی گئی ہے۔ (۱)

حضور ﷺ کو جب وحی اُتری تو آپ ﷺ اس جگہ پر رُکے جو کہ انتہائی گرم تھی اور آپ نے لوگوں کو آگے بھیجا تا کہ اُنہیں واپس لائیں جو آگے نکل چکے ہیں اور اُن کا انتظار کیا جائے جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ جب تمام اکٹھے پہنچ چکے تو آپ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ایک منبر تیار کرایا تا کہ اعلان کر سکیں۔ اس دن رسول خدا ﷺ نے تقریباً پانچ گھنٹے اس جگہ پر گذارے۔ تین گھنٹے منبر پر قریب قریب سو آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی اور ۷۳ مرتبہ لوگوں کو اُن کے اعمال اور آنے والے وقت کے بارے میں بیان فرمایا تب حضور ﷺ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

"حمد و ثناء کے بعد! اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ

---

(۱) اسباب النزول از الواحدی صفحہ ۵۰۔ ؛ منصور از جلال الدین سیوطی شیخ محی الدین نواوی، تفسیر نقش پوری جلد ۶ صفحہ ۱۹۴، فتح البیان۔

خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہلِ بیعت ہیں۔"

میں اپنے اہل بیعت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں اور جب تک تم یہ دونوں چیزیں تھامے رہو گے میرے بغیر گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں جُدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے نہ آ ملیں۔

اسکے بعد حضور ﷺ نے اپنا خطبہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ "کیا میں مومنین پر اُن سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا۔" اس کا سننا تھا کہ تمام مجمع میں آنسوؤں کا سیلاب آ گیا۔ لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کر با آواز بلند کہا بے شک آپ ہم پر اس سے بھی زیادہ اختیار رکھتے ہیں۔ تب رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کا ہاتھ بلند کیا اور کہا:

"جس جس کا میں مولا اُس اُس کا علی مولا اے اللہ تو اُس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور جو علی سے عداوت رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔"[1]

حضور ﷺ نے یہ خطبہ ختم کیا ہی تھا کہ قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی:

---

[1] صحیح ترمذی، سنن ابن ماجہ، خصائص از النسائی، المستدرک، از حاکم مسند احمد ابن حنبل، تفسیر الکبیر از فخر الراض، تفسیر دُرِ منصور از جلال الدین سیوطی، ابدایہ وا النہایہ از ابن کثیر اور طبرانی۔

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی
نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کا انتخاب
کرلیا۔''

اہلسنّت کے کئی ایک حوالہ جات کی روشنی میں یہ تحریر ہے کہ درج بالا آیت کے اختتام پر نازل ہوئی۔ ①

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارک باد پیش کی۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''مبارک ہو علی ابن ابی طالب آج آپ تمام مومنین اور مومنات کے مولا بن گئے۔'' ②

اس موقع پر بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ اس خطبہ اور حضور ﷺ کے اعلانات کو تمام افراد جو یہاں موجود تھے انہوں نے اُن تک پہنچا دیا جو یہاں غدیرخم کے مقام پر موجود نہ تھے۔ ①

کچھ روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خوش خبری تمام عرب میں پھیلی تو ایک شخص حارث ابن نعمانی النہری نے

---

① دُرِمنصور از جلال الدین سیوطی، تاریخ از خاطب البغدادی، مناقب از ابن مغازلی، البدایہ والنہایہ، ابن کثیر اور المناقب خوارزمی۔

② مسند احمد ابن حنبل، تفسیر الکبیر، کتاب الولائب از ابن جریر الطبری اور تاریخ از خاطب البغدادی۔

③ تاریخ ابن کثیر اور نسائی۔

حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے ہم ایمان لے آئے آپ نے کہا میں خدا کا رسول ہوں ہم نے مان لیا آپ نے نماز پنجگانہ کا کہا ہم نے تسلیم کیا اور اس حکم کو بجا لائے آپ نے ماہِ رمضان میں پورا مہینہ روزے رکھنے کا حکم دیا ہم نے تسلیم کیا اور عمل کیا مگر آپ اس سے مطمئن نہ ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ہمارا مولا بنا دیا۔ کیا یہ حکم بھی آپ ﷺ کو اللہ ہی کی طرف سے آیا تھا یا آپ نے اپنی طرف سے کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بخدا یہ حکم اللہ ہی کی جانب سے ہے یہ سننا تھا کہ حارث نامراد واپس مڑا اور یہ الفاظ اس کے لب پر تھے کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ محمد ﷺ نے فرمایا تو مجھ پر ابھی تیرا عذاب نازل ہو یہ ابھی اپنی اونٹنی تک بھی نہ پہنچا تھا کہ ایک کنکری آسمان سے اس کے سر پر گری اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ اس موقع پر کچھ مفسرین کا یہ کہنا ہے کہ سورت المعارج کی پہلی تین آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔ (واللہ اعلم)

درج بالا سطور میں تین چیزیں ابھر کر سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ اس دن یعنی حجتہ الوداع کو اللہ تبارک وتعالیٰ وحی نازل کرتے ہیں کہ آج کے دن دین اسلام مکمل ہوا اور نسل انسانی کے لیے اس دین کا انتخاب کر لیا گیا۔ دوسرا یہ کہ قرآن پر عمل کرو اور اہل بیت یعنی حضور ﷺ کے قریبی گھرانے کے لوگوں سے حب رکھو۔ تیسرا اللہ کے حضور محمد ﷺ کی دُعا اور مسلمانوں کے لیے واضح حکم حضور ﷺ کی جانب سے کہ "جس کا میں مولا اُس کا علی مولا اے اللہ تو بھی اُس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔" نبی ﷺ کے اس حکم کے بعد کم،

از کم ہر مسلمان کو حب اہل بیت کو اپنے ایمان کا جزو بنا لینا چاہیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت تو ویسے بھی ایک کائناتی سچائی ہے جیسا کہ کسی نے لکھا ہے کہ حب علی رضی اللہ عنہ بھی اللہ کے اسرار میں سے ایک راز ہے اور وہ اُن لوگوں پر اشکار ہوتا ہے جو دل میں گداز رکھتے ہوں۔ سخت دل لوگوں کو یہ نصیب ہونا مشکل ہے۔ محبت کا معیار یہ کہ محبوب کا نام سنا جائے تو بدن کا روم روم جذبہ محبت میں لبریز ہو جائے اور سچی محبت یہ کہ محبوب کی ہر بات مان لی جائے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اہم قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں جنہیں آگے علیحدہ ابواب میں تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔

رحلت رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر ہی اس جہانِ فانی سے رخصت کی اطلاع دے چکے تھے۔ خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سورۂ فتح کے نزول سے ہی علم ہو گیا تھا کہ آپ اس جہانِ فانی سے کوچ فرمانے والے ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے حوالے سے کئی تاریخی واقعات ہم تک پہنچتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے چار دن قبل کاغذ اور دوات لانے کے لیے کہا اور فرمایا کہ میں تمہارے لیے تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے لوگوں سے مخاطب کر کے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو ہمارے لیے کافی ہے اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ تعمیل کی جائے بعض کو اختلاف تھا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے۔ حضور

ﷺ سخت بیماری میں تھے۔ زیادہ شوروغل کی وجہ سے آپ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بُلاتے ہو۔" (۱)

درج بالا واقعہ کی بہ نسبت بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت کرنے لگے تھے۔ واللہ علم۔

بیماری کے آخری ایام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو تھام کر مسجد میں لاتے رہے۔

آپ ﷺ کو اپنی بیٹی خواتین جنت کی سردار بی بی فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور کان میں کچھ کہا تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اور پھر کان میں کچھ کہا تو مسکرا دیں۔ بعد میں کسی نے اس کے متعلق پوچھا تو حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا پہلی دفعہ بابا نے میرے کان میں کہا کہ میں اس مرض میں انتقال کروں گا میں رونے لگی تو بابا نے فرمایا کہ میرے خاندان میں میرے بعد سب سے پہلے تم مجھ سے آ کر ملو گی تو میں مُسکرا دی۔ (۲)

حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا انتقال حضور ﷺ کے وصال سے تقریباً چھ ماہ بعد ہوا۔

حضور ﷺ کی وفات دوشنبہ کے روز ہوئی۔ تجہیز و تکفین کی خدمت خاص گھر کے افراد نے انجام دی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خاص تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندر سے کواڑ بند کر دیے کیونکہ لوگ شریک ہونا چاہ رہے تھے۔

---

(۱) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی، سید سلمان ندوی۔

(۲) صحیح بخاری ذکر وفات۔

بہر حال حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ (۱)

نوٹ: بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے کیا خوبصورت ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے۔ شاعرِ مشرق اپنے فارسی کلام اسرار و رموز میں ایک فارسی نظم بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں پیش کرتے ہیں:

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز

حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک نسبت سے محترم ہیں

از سہ نسبت حضرت زہراؓ عزیز

جبکہ حضرت زہرہ رضی اللہ عنہا تین نسبتوں سے محترم ہیں

نورِ چشم رحمت اللعالمین

وہ رحمت اللعالمین کی نور چشم ہیں

آں امام اولین و آخرین

جو کہ تمام اولین و آخرین کے امام ہیں

آنکہ جان در پیکر گیتی دمید

جنہوں نے مردہ قوم میں جان پیدا کی

روزگار تازہ آئین آفرید

اور ایک نیا آئین زندگی لائے

بانوی آں تاجدار ''ہل اتے''

زہرا رضی اللہ عنہا بیوی ہیں اُس کی جسے ''ہل اتی'' کا تاج ملا

---

(۱) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا شبلی نعمانی۔

مرتضیٰ مشکل کُشا شیر خُدا

جو چنا ہوا مشکل کُشا اور شیر خُدا ہے

پادشاہ وکلبائی ایوان او

جو کہ بادشاہ تھا مگر اُس کا بسیرا جھونپڑی میں تھا

یک حسام و یک زرہ سامان او

اُس کے کُل سامانِ حیات ایک تلوار اور زرہ تھی

مادر آن مرکز پرگار عشق

ماں ہیں اُس کی جو کہ عشق کا مرکز تھا

مادر آن کاروان سالار عشق

ماں ہیں اُس کی جو کہ محبت کا سالارِ کارواں تھا

آن یکی شمع شبستانِ حرم

وہ محفلِ حرم میں ایک شمع کی مانند تھا

حافظ جمعیت خیر الامم

وہ خیر الامم کی جماعت کا محافظ تھا

تانشیند آتش پیکار وکین

صرف موت اور نفرت کی آگ سے بچنے کے لیے

پشت پازد برسر تاج ونگین

اُس نے تخت و تاج کو ٹھوکر ماردی

وان دگر مولای ابرار جہاں

اور دوسرا بیٹا جو نیکوکاروں کا مولا تھا

قوت بازوی احرار جہان
جو کہ حریت پسندوں کی قوتِ بازو تھا

جناب امیر المومنین ادوار خلافت میں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دورِ خلافت سے قبل خلفاء کے ادوار میں اپنی بھرپور خدمات پیش کیں۔ آپ تینوں خلفاء کو اپنے مفید اور عقل و دانش سے بھرپور مشوروں سے نوازتے رہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور تمام معاملات سے الگ تھلگ رہے اس سلسلے میں سارا زور دو باتوں پر دلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں ایک تو نہج البلاغہ [1] سے چند خطبات ثبوت کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں جس میں کہ جناب امیر علیہ السلام نے خلفاء پر تنقید کی ہے۔ اس سلسلے میں گذارش یہ ہے کہ جو خطبات اس حوالے سے پیش کیے جاتے ہیں اُن پر محققین نے رائے دی ہے کہ یہ خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہیں ہو سکتے کیونکہ خلافت سے پہلے اور بعد میں آپ کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اچھا تعلق تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے بھرپور حصہ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں انتظامات خود کیے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قریبی دوست تھے اور جناب امیر علیہ السلام نے نکاح کے وقت جو زرہ بیچی تھی وہ آپ ہی نے پانچ سو درہم کے عوض خریدی اور نکاح کے

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات، خطوط و اقوال کا مجموعہ۔

وقت تحفتاً جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پیش کی۔ دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حجتہ الوداع کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حدیث بیان فرمائی تھی کہ:

''جس کا میں مولا اُس کا علی مولا، یا الٰہی تو اُس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔''

اس سے مراد جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی۔ اب ساری بحث اسی ایک لفظ ''مولا'' پر ہے۔ جو لوگ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مسلم اُمہ کا قائد و راہنما خیال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''مولا'' کا مطلب قائد یا راہنما ہے۔ جبکہ دیگر کا ماننا ہے کہ مولا کا لفظ صرف خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہی استعمال ہو سکتا ہے۔ لیکن حدیث میں یہ لفظ ''مولا'' بھی اپنی جگہ موجود ہے جس سے کہ مراد ولایت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ولایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی جاری و ساری ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت دیا کرتے تھے۔ قرآن کی تفسیر و تشریح کے حوالہ سے آپ کا بیان مقدم سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فیصلہ دیا کہ جو آدمی فوت ہو اور اُس کا بچہ اور والد نہ ہو تو کلالہ [1] اُس کے وارث ہوں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ سے اختلاف کیا پھر حضرت ابوبکر

---

[1] تفسیر دُرِ منثور میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۶ کے ترجمہ و تفسیر میں لفظ کلالہ کا مطلب واضح کیا گیا ہے دیکھئے تفسیر دُرِ منثور۔

صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب المرتضیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا۔[1]

آپ مسجد نبوی ﷺ میں بھی تشریف فرماتے کرتے تھے اور لوگ آپ سے معاملات میں مشورے طلب کیا کرتے تھے۔ خلفاء کی جانب سے آپ کے پاس پیچیدہ مقدمے بھی پیش ہوتے تھے۔ جس کا آپ اسلامی روح کے مطابق تصفیہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کئی ایک مقدمات میں آپ ہی نے فیصلے کیے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

"میں اُس دن سے پناہ مانگتا ہوں کہ جب کوئی پیچیدہ مقدمہ پیش ہو اور اُسکے تصفیہ کیلئے ابو الحسن موجود نہ ہوں۔"

ایک موقع پر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کے ساتھ یروشلم اور شام کی جانب نکلے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ کا امیر مقرر کر گئے۔

اسی طرح خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار کافی نمایاں رہا خصوصاً آپ کے دور کے آخری ایام میں جب بلوائیوں نے مدینہ شہر کو عملی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی اسلامی دور کے اس تلخ ترین موڑ پر اپنا بھرپور کردار ادا کیا بلکہ اپنے صاحب زادوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر مامور کیا۔

دورِ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری ایام مسلم اُمہ کے لیے انتہائی کٹھن اور غمناک ثابت ہوئے۔ انکے پس پردہ حالات و واقعات کچھ

[1] ایضاً امام عبد بن حمید نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔

یوں ہیں کہ جو اعمال حکومت کی جانب سے اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں میں تعینات تھے۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی شروع کر دی۔ عیش وعشرت اور دنیاوی چاہ میں پڑ گئے تھے۔ عوام کی فلاح و بہبود کا قطعۂ کوئی خیال نہ تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اِس صورتحال کے خلاف سخت احتجاج کیا مگر اُنہوں نے ان کا.کوئی اثر نہ لیا اور اپنی آسائشوں میں مگن رہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اُن علاقوں سے عوامی شکایات موصول ہونا شروع ہوگئیں۔ وہ ان شکایات کے ازالہ کا سوچ ہی رہے تھے کہ لوگوں نے مدینہ کی طرف آنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے شہر مدینہ ان لوگوں سے بھر گیا۔ ہر دور میں ہر قوم و ملک کے اندر کچھ نہ کچھ شر پسند عناصر موجود ہوتے ہیں۔ یہاں بھی اس گروہ نے اپنی کارستانیاں دکھانی شروع کر دیں۔ یہ موقع اُن کے لیے خاص غنیمت تھا کہ لوگوں کے ہجوم میں اِن کو پہنچانا بھی نہ جا سکے گا۔ اس مٹھی بھر گروہ کی قیادت عبد اللہ بن سباح (۱) کر رہا تھا۔ جب معاملات بگڑتے گئے اور بہتری کی کوئی صورت نہ بن پڑی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ معاملات کو بہتر طریقے سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے گفت وشنید کی اور انہیں یقین دلایا کہ تمام مسائل بہ احسن خوبی حل

---

(۱) عبد اللہ بن سباح کے بارے نامور سکالر تاریخ دان طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "علی و نبوہ" (علی رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند) میں لکھا ہے کہتے ہیں کہ حیرت کا مقام ہے کہ مورخین خلیفہ سوم کے خلاف برپا ہونے والی شورش ان کی شہادت کے بعد کے دور جنگ بصرہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی سے قبل اور پھر اس طرح جنگ بصرہ میں عبد اللہ بن سبا کا نام بار بار لیتے ہیں اور اس کو ان حوادث کا محرک سمجھتے ہیں۔ لیکن جنگ صفین میں اس کا نام نہیں لیتے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے واضح کیا ہے کہ یہ کردار (عبد اللہ بن سبا) خود ساختہ اور مصنوعی ہے۔ (واللہ اعلم)

ہو جائیں گے۔ وہ اپنے علاقوں کی طرف لوٹ جائیں۔ اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تدبر و حکمت سے یہ گروہ اپنے علاقوں کی طرف لوٹے مگر پھر مدینہ واپس لوٹ آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ واپس کیوں آ گئے تو کہنے لگے کہ ہم نے مصر جاتے ہوئے قاصد کو پکڑا ہے اور اس کے پاس سے رقعہ ملا ہے جس پر خلیفہ کی مہر ثبت ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ والئی مصر ان تمام لوگوں کو قتل کر دے جنہوں نے خلافت کے خلاف قدم اُٹھایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خدایا تم جھوٹ کہتے ہو اور یہ کوئی بہت ہی بڑی سازش ہے۔ یہ گروہ دراصل بد نیت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ناپاک ارادے سے مدینہ وار ہوا تھا۔

پھر ایک دن موقع پا کر یہ لوگ گھر کے اندر داخل ہوئے۔ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) راستے میں آئیں تو تلوار سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کر دیا۔ اس سے تمام شہر مدینہ شورش میں ڈوب گیا ہر طرف بلوائیوں کی عمل داری نظر آنے لگی۔ خلافت بے عمل ہو کر رہ گئی۔ بلوائیوں نے تمام شہر کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا مدینہ تقریباً چار دن تک ان کے زیر تسلط رہا۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا وہ ان ہی بلوائیوں میں سے تھے جو کہ مختلف علاقوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے تعینات کیے گئے تھے حکومتی عہدیداروں کے خلاف شکایات لے کر آئے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے معزول ہونے کا مطالبہ کرنے لگ گئے تھے کہ موقع پا کر کچھ لوگ اندر داخل ہوئے اور اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے انہیں پہچاننا بھی مشکل تھا کیونکہ جب حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ افراد نقاب پوش تھے لہٰذا وہ ان کے چہرے نہ دیکھ سکیں تھیں۔

جب ان بلوائیوں کو چار دن مدینہ میں گذر گئے تو انہیں خیال آیا کہ عنانِ حکومت کس کے سپرد کریں۔ کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے قریبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہوئے کوئی بھی انہیں اسلامی حکومت کا سربراہ تسلیم نہ کرتا۔ انہوں نے اہل مدینہ کو واضح الفاظ میں تنبیہ کی کہ تین دن کے اندر خلیفہ کا انتخاب کر لیا جائے ورنہ حالات کی ذمہ داری ان پر نہ ہوگی۔ مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سرداروں امراء روساء کا اجلاس ہوا۔

سب نے یک زبان ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

اس موقع پر مغربی تاریخ دان Ocklay اپنی تصنیف History of the Saracens کے صفحہ ۲۸۹ پر لکھتا ہے جب اکابرین مکہ نے یک زبان ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام حکومت کے لئے منتخب کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر انکار کیا اور کہا کہ اگر آپ لوگ کسی دوسرے کو منتخب کر لیں جسے آپ بہتر سمجھتے ہیں تو میں اُس کی بھرپور رہنمائی کرتا رہوں گا۔ اگر آپ لوگ میرے انتخاب پر ہی مصر ہیں تو یہ سُن لیں کہ میں حکومتی معاملات آزادانہ بغیر کسی مداخلت کے سرانجام دونگا اور تم سے اللہ کی کتاب عقل اور فہم و فراست کے مطابق برتاؤ کرونگا۔ اِن لوگوں نے بغیر ہچکچاہٹ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ان باتوں کو تسلیم کیا اور بیعت شروع کی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روکتے ہوئے کہا کہ یہ کام اگر عوام میں ہو تو بہتر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سازشی عناصر سے بھی بخوبی واقف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات ذہن میں تھی کہ یہ لوگ حکومت کمزور کرنے کے لیے مواقع استعمال کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد لوگ جوق در جوق حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کئی قریبی ساتھیوں کی آنکھوں سے خوشی

سے آنسو بھی چھلک پڑے۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے اپنی خلافت سے متعلق نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے:

"پس (شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد) کسی چیز نے مجھے اتنا پریشان نہیں کیا جتنا اِس بات نے کہ لوگ، اِس کثرت سے (ہر چہار طرف سے) مجھ پر (بیعت کیلئے) پڑ رہے تھے، جیسے بجو کی گردن کے بال[1] یہاں تک کہ حسن و حسین (اِس اژدھام سے) کچل گئے اور میری ردا پھٹ گئی۔ یہ لوگ میرے گرد گلہ گوسفند کی طرح جمع ہو گئے۔ پھر جب میں بیعت کے لیے اُٹھا اور امرِ خلافت میں مشغول ہوا تو ایک گروہ[2] نے میری بیعت کو توڑ دیا اور ایک دوسری جماعت[3] بھی دائرۂ بیعت سے خارج ہو گئی ....

اے لوگو! اِس خُدا کی قسم جس نے دانا کو چیرہ، اور جس نے انسان کو خلق کیا۔ اگر لوگ اِس کثرت سے حاضر نہ ہوتے (اور میری بیعت نہ کر لیتے) اور مددگاروں کی وجہ سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو جاتی اور علماء سے خدائی عہد یہ نہ ہوتا کہ وہ ظالم کی شکم سیری (ظلم) اور مظلوم کی گرسنگی (مظلومیت) پر راضی نہ ہوں تو بلاشبہ ناقۂ خلافت کی مہار میں اِس کی پیٹھ

---

(1) بجو کی گردن میں بہت بال ہوتے ہیں۔ لہٰذا کثرت کی طرف عربی محاورہ کے مطابق اشارہ کیا گیا ہے۔

(2) طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے بیعت توڑ دی۔

(3) خوارج نہروان مُراد ہیں۔

پر ڈال دیتا (کہ ناقہِ خلافت جدھر جائے جس خار زار کو چاہے چراگاہ بنا لے اور راہِ ضلالت و گمراہی میں پڑ جائے) اور بلاشبہ آخر بھی وہی کاسہِ آب دیتا جو پہلے دے چکا تھا اور تم جان لیتے کہ تمہاری یہ دُنیا میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ حقیر ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم کے بحیثیت خلیفہ اسلام منتخب ہوتے ہی قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ اُٹھنے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس مطالبہ کی پُر زور حمایت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابھی حکومت نئی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا ضرور دی جائے گی۔ مگر کوئی تو بتائے قاتل کون لوگ ہیں۔ پچھلے صفحات پر اس کا ذکر تفصیلاً گذر چکا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں میں سے ایک گروہ نے قتل کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا بھی انہیں پہچان نہ سکیں بوجہ اُنہوں نے نقاب پہن رکھے تھے۔ اس دلیل سے کہ خلیفہ کو کچھ وقت دیا جائے کہ وہ حکومتی معاملات کو سنبھالے اور اس معاملہ کی چھان بین کر لے یہ مطالبہ فی الوقت ٹل گیا مگر کچھ دنوں بعد پھر زور پکڑنے لگا اور اس طرح کی باتیں ہونے لگیں کہ گویا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشارے پر قتل کیا گیا ہے (نعوذ باللہ)۔

یہ باتیں اور الزامات سراسر غلط ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے اپنی تصنیف تاریخ الخلفاء میں شہادت عثمان کے جو واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ان

میں واضح طور پر لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کشیدہ صورتحال کو سلجھانے کی بھرپور کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو گئے مگر جن شرپسند عناصر اور ملت اسلامیہ کے دشمنوں نے ناپاک ارادہ کر رکھا تھا وہ اس پر عمل کر کے رہے۔ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صرف یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ مروان بن حکم کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا نہ کر رہے تھے۔ اِس صورتحال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فہم سے یہ جان لیا کہ کہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان خطرے میں نہ پڑ جائے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو دیگر بنی ہاشم کے جوانوں کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی حفاظت پر مامور کیا۔ حضرات حسنین کو اس دوران بلوائیوں سے مزاحمت کے دوران زخم بھی آئے۔ مگر یہ علی کے شیر ڈٹے رہے بلوائی یہ چاہتے تھے کہ اندر داخل ہو کر مروان کو قتل کر دیں یا اسے باہر لے آئیں اِسی کشمکش کے دوران اُن افراد کو موقع ملا جو ملت اسلامیہ کی کمر توڑ دینا چاہتے تھے انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ حضرات حسنین کے ہوتے ہوئے دروازہ کے راستے اندر داخل ہونا مشکل ہے لہٰذا کسی دوسرے گھر کی چھت سے ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا تین افراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ ایک نے آپ کو پکڑا اور ایک نے ناپاک جسارت کرتے ہوئے قتل کر دیا۔ تاریخ الخلفاء میں یہ بھی درج ہے کہ بلوائیوں نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا تو ان پر پانی بند کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ کسی طرح پانی فراہم کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی اور دیگر اشیاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھجوائیں جو کہ انتہائی تگ و دو اور لڑائی جھگڑے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

تک پہنچیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے واقع کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس نے قتل کیا انہوں نے کہا کہ میں ان لوگوں کو تو نہیں جانتی مگر محمد بن ابی بکر ان کے ساتھ تھے جو اندر داخل ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر سے دریافت کیا تو ابن ابی بکر نے کہا کہ میں ضرور داخل ہوا تھا لیکن جب انہوں نے میرے والد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا ذکر چھیڑا تو میں ہٹ گیا۔ حضرت محمد بن ابی بکر کے اس قول کی تائید زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔

اسی کتاب (تاریخ الخلفاء) میں ایک اور جگہ رقم ہے۔

ابن عساکر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیا گیا تو آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ جب آپ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا:

"خداوند! نہ میں اس واقعہ پر راضی ہوں اور نہ میں نے کسی طرح کی مدد کی۔"

قیس بن عباد سے روایت ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ الٰہی! تو خوب واقف ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بلکل بری ہوں۔ بلکہ آپ جس روز شہید ہوئے تو اس صدمہ سے میرے حواس مختل ہو گئے تھے۔ جب لوگوں نے میری بیعت کرنا چاہی تو میں نے کہا جس قوم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا میں اس سے بیعت لوں مگر بعد میں جب حواس قابو میں آئے تو لوگوں سے بیعت لی۔

جنگ جمل ۳۶ھ جمادی الآخر:

اُم المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ حج پر گئیں تو واپسی پر اُنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مدینہ کے راستے پر ملی۔ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ بھی ان سے جا ملے اور قصاص عثمان ان کا واحد مطالبہ تھا وہ گروہ جو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شامل تھا۔ ان افراد کو کوئی نہ پہچانتا تھا یہ اس بے نظمی کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افواج میں شامل ہو گئے تھے اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ افراد دونوں جانب شامل ہو گئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طلحہ و زبیر اپنی افواج کے ساتھ بصرہ کے قریب تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان افواج کو اسی جگہ جا لیا اور بے حد کوشش کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص انتہائی ضروری ہے اور اُن کا پہلا مقصد بھی یہی ہی ہے مگر عثمان کے قاتل پہچان ہی میں نہیں آتے تو قصاص کسی سے لیا جائے مگر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے پھر ہر زور مطالبہ قصاص کیا جانے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے کئی جوان نکل آئے اور کہنے لگے ہم ہیں عثمان کے قاتل۔ غرضیکہ صلح و امن کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں پھر بھی طرفین جنگ سے باز رہے اور ایک دوسرے کے مقابل پڑاؤ ڈالے رہے کہ اچانک ایک رات کو اسی خبیث گروہ نے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا تھا۔ جنگ کا آغاز کر دیا پھر کیا تھا اَن واحد میں شمشیریں چمکنے لگیں اور دونوں جانب سے مسلمان ہی شہید ہونے لگے۔ جنگ شدت اختیار کر رہی تھی جو کہ مسلمانوں کی وحدت کو ریزہ ریزہ کیے دے رہی تھی۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ اس صورتحال سے انتہائی رنجیدہ خاطر ہوئے اور آخرکار حکم دیا کہ اُس اُونٹنی کے پاؤں کاٹ دیے جائیں جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں ایک معرکہ آراء حملہ کے بعد اُونٹنی کی کونچیں کاٹ دی گئیں اور اُونٹ زمین پر آ رہا۔ اسی کے ساتھ ہی جنگ اختتام پذیر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ رُخصت کیا۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اس جنگ میں شہید ہوئے۔ مورخین کے بیان کے مطابق تقریباً دس ہزار فوجی طرفین کے شہید ہوئے۔ بظاہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس جنگ میں کامیابی ملی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس جنگ میں مسلمانوں کی شہادت سے بھی رنج پہنچا۔

اس جنگ کے حوالے سے کئی روایتیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جن کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرتے ہیں۔ جن میں شروع اشاعتِ اسلام کے واقعات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے یاد کرائے جاتے ہیں۔ جس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے اس اقدام پر نادم ہوتے ہیں اور جنگ سے علیحدہ ہو کر بصرہ کے ساتھ ہی ایک وادی میں چلے جاتے ہیں اور وہاں نماز ادا کر رہے ہوتے ہیں کہ ایک شخص عمر ابن جرموز ان کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیتا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ مروان بن الحکم جو کہ اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے ساتھ تھا کسی بات پر اشتعال میں آ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی کر دیا جن سے آپ کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی۔ اسی حالت میں وہ بصرہ کی جانب نکل گئے اور وہیں شہادت پائی۔ یہ پہلی جنگ تھی جو مسلمانوں کے درمیان آپس میں لڑی گئی۔

ناقدین اس نقطۂ پر بحث کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قبل تینوں خلفاء کے ادوارِ خلافت پُر امن انداز میں گذرے اور اسلام کی سرحدین اور حلقہ اسلام میں لوگوں کی تعداد بھی بڑھی۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اتنا انتشار بدامنی کیوں؟

جواب اس کا یہ دیا جاتا ہے کہ سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب نبوت کے منصب پر فائز ہوئے اور اس کا اعلان کیا تو قریش کو جہاں دوسرے اعتراضات تھے وہاں یہ بھی اعتراض تھا کہ:

(۱) بنو ہاشم اس طرح ہم سے عزت و مرتبہ میں آگے بڑھ جائے گا۔

(۲) اسلام کے آغاز میں جو جنگیں غزوات و سرایہ مسلمانوں کو قریش کے ساتھ پیش آئے۔ جنگ بدر، جنگ اُحد، جنگ خندق۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے نمایاں رہے اور انہوں نے بے شمار کفار قریش کے سرداروں (جو کہ بڑے نامی گرامی جوان مانے جاتے تھے) کو واصل جہنم کیا اور اسلام کا علم سر بلند رکھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریباً ۲۲ قریش کے سرداروں کا خاتمہ کیا۔ جنگ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت بھی کی اور اسی دوران تقریباً آٹھ کفار کو خاک نشین کیا۔ جنگ خندق میں یہودیوں کے سالار عمرو بن عبدود کو ایک ہی وار میں جہنم رُخصت کیا اور اس کے ساتھ ہی یہودیوں اور قریش مکہ کا طمطراق خاک میں مل گیا۔ غزوات کے باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رہائے نمایاں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار اشاعتِ اسلام میں انتہائی نمایاں رہا۔

(۳) عربوں کی ایک عادت تھی کہ اسلام سے قبل ان کی چھوٹی چھوٹی

بات پر جنگیں ہوتیں اور مہینوں سالوں چلتیں۔ وہ دشمنی و کینہ کو اپنے دلوں میں پالتے رہتے تھے اور جب تک انتقام نہ لے لیں اُن کا جذبہ سرد نہ ہوتا تھا۔

اسلام سے گو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں مگر کئی دلوں میں کج روی برقرار رہی اور یہی وجہ ہے کہ اُوپر بیان کیے گئے نقاط کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی تنگ دلی اور تنگ نظری کا شکار ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ بنو ہاشم سے تھے اس لیے ان کو ان حالات کا سامنا درپیش ہوا۔ یہ لوگ بظاہر تو اسلام لے آئے مگر ان کے دل اسلام کے نور سے منور نہ ہو سکے۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت کا اہم واقعہ دارالخلافت کا تبدیل ہونا تھی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ مدینۃ المنورہ سے کوفہ منتقل کر دیا بعض صحابہ نے اس بات کی مخالفت بھی کی مگر آپ نے دلیل دی کہ دشمن ہمیں صاف نظر آ رہا ہے۔ اس لیے اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے قریب رہا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے سب خاموش ہو گئے اور دارالخلافہ کوفہ قرار پایا۔

جنگ جمل سے فراغت پاتے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ اعمال کو برخواست کر کے اُن کی جگہ نئے گورنر اور دیگر کلیدی حکومتی عہدیداروں کی تعیناتی کی۔ ابن عباس نے آپ کو مشورہ دیا کہ فی الحال کچھ دیر انہی اعمال کے ساتھ نظام خلافت چلنے دیں مگر آپ نے یک جنبش قلم سب کو معزول کر دیا اور نئے گورنر تعینات کیے۔ یہاں یہ نقطہ قابل توجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے مشورے دیے گئے کہ ایسا نہ کریں کچھ وقت ان کے ساتھ گزارہ کریں۔ جب صورتحال بہتر ہو گی تو جو بہتر ہو گا کر لیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ قبول نہ کیا اور تمام عثمانی عمال

معزول کر دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے متعلق استدلال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ اعمال کے خلاف اسلام اعمال و کردار کی عوام الناس کی فلاح و بہبود سے ہٹ کر اپنی عیش پرستوں میں مشغول رہنے سے ہی عام رعایا ان کے سخت خلاف ہو چکی تھی اور جب خلیفہ کی جانب سے کوئی داد رسی نہ ہوئی تو احتجاجاً انہوں نے مدینہ کا رُخ کیا اور اس صورتحال کے پیچھے جو شخص کارفرما تھا یعنی مروان بن حکم اس کی حوالگی کا مطالبہ خلیفہ وقت سے کرنے لگے۔ اسی ساری صورتحال کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ جو عمال عوام کو اذیت کا باعث بنے اور جن کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل بھی ہوا۔ وہ انہیں برقرار رکھیں اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی معزولی کا جو فیصلہ لیا وہ بالکل درست تھا۔

آپ نے جن گورنروں کو معزول کر کے جن نئے گورنروں کو تعینات کیا اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) آپ نے سب سے پہلے شام کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ ابن عباس کو گورنر شام مقرر کیا لیکن انہوں نے کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجھے شام میں ہرگز نہ داخل ہونے دے گا۔ آپ اسے معزول نہ کریں بلکہ بیعت لینے کے خاطر بات چیت کریں۔ تاکہ معاملات بہتر ہو سکیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اقرار نہ کیا تھا اور نہ ہی بیعت کی تھی)۔

اس پر آپ نے سہل بن حنیف کو امارت کا فرمان دے کر بھیجا لیکن جب وہ تبوک کے مقام پر پہنچے تو شامی سرداروں کا ایک دستہ آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ کہا جا رہے ہیں آپ نے جواب دیا کہ امیر المومنین کی جانب

سے شام کا گورنر مقرر ہوا ہوں اُس دستہ کے سردار نے کہا کہ اگر آپ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تحریری حکم نامہ ہے تو آپ ضرور شام جا سکتے ہیں۔ بصورت دیگر آپ واپس لوٹ جایئے کیونکہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم کو جائز نہیں سمجھتے مجبوراً سہل بن حنیف واپس چلے گئے۔

(۲) عثمان بن رضی اللہ عنہ حنیف کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

(۳) عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا۔

(۴) عبید اللہ بن عباس ...... کا۔

(۵) قیس بن سعد کو مصر کا۔

قیس بن سعد مصر پہنچے تو وہاں کی یہ بگڑئی ہوئی صورتحال کو نہ سنبھال سکے۔ اس طرح قیس بن سعد کی ناکامی کے بعد محمد بن ابی بکر کو ان کی جگہ مصر کا گورنر مقرر فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تقرری کے اقدامات کی وجہ سے جو گورنر یا حکام معزول ہوئے انہوں نے اُن شر پسند عناصر کے ساتھ مل کر ایک ایسا طوفان کھڑا کیا کہ اس پر قابو پانا مشکل کیا۔

سب سے زیادہ مشکل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کی تھی چونکہ معاویہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی شام کا گورنر چلا آ رہا تھا اور اس نے وہاں اپنے آپ کو کافی مضبوط بھی کر لیا تھا۔ تقریباً بیس سال کی گورنری و امیری کے بعد اس کا ایک وسیع حلقہ احباب بھی بن گیا تھا۔ اس لیے سب بھی اس لحاظ سے وہ اس علاقہ میں کافی مضبوط پوزیشن پر تھا۔

صرف چند ایک علاقوں کے علاوہ سب علاقوں میں آپ کے مقرر کیے ہوئے گورنر کامیاب نہ ہو سکے اور واپس لوٹ آئے۔ اس اثر صورتحال کو مدنظر

رکھتے ہوئے آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔علی اصغر چوہدری نے اپنی کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ فاتح خیبر میں جہاں دوسری وجوہات اس جنگ (جنگ صفین) کے بارے میں بیان کیں ہیں وہاں یہ بھی درج کی ہے کہ ''ہاشمی اور اموی خاندانوں کی پرانی رنجشیں بھی آہستہ آہستہ بیدار ہو رہی تھیں۔''

یہاں ایک نقطہ بیان کرنا ضروری ہے کہ رنجشیں اموی خاندان کی جانب سے تھیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ یا بنو ہاشم نے اس طرح کی کوئی رنجشیں دل میں نہ رکھیں اور نہ ہی انہیں ضرورت تھی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو بنو امیہ نے ہی ان کی مخالفت کی اور بیعت نہ کی۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قریش کے کئی نامور سرداروں کو خاک چٹائی تو وہ اپنی ذات یا ذاتی فائدے کے لیے نہ تھا بلکہ اسلام کی سر بلندی اور حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ایسا کیا مگر قریش اُس ذلت کو نہ بھول سکے جو غزوات میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اُٹھائی تھی۔ دوسری اہم وجہ اس جنگ صفین کی یہ ہے کہ وہی مفسد عناصر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شامل تھے ان کی شرانگیزیاں تھمنے کا نام نہ لیتی تھیں یہ دونوں جانب سے جلتی پر تیل چھڑک رہے تھے۔ یہ اس لیے ایسا کر رہے تھے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امن نصیب ہوگیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا سراغ لگا لیں گے اور انہیں ان کے منطقی انجام تک پہنچا دیں گے۔بعض مورخین نے اسے ہی بڑی وجہ قرار دیا ہے۔ تیسرا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر حکومت کی عملداری قائم کرنا تھی۔ دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل بیعت سے انکار کیے جا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے کھلے الفاظ میں انکار کر رہے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ معاویہ کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کا خون آلود کُرتا شام کے بازار میں لٹکا دیا گیا جسے دیکھ کر لوگ مزید جذباتی ہو رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قصاصِ عثمان کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔ جنگ صفین کا واقعہ ۳۷ھ کو پیش آیا۔

واقعات جنگ صفین:

طرفین کے لشکر تین ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل بغیر جنگ کے پڑاؤ ڈالے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسب سابق امن کی ہر ممکن کوشش کی اور پہلا وفد جو معاویہ کے پاس بھیجا وہ ان افراد پر مشتمل تھا۔

(۱) بشیر بن عمر بن معاذ انصاری (۲) سعید بن قیس ہمدانی

(۳) شعث بن ربیع تمیمی

تاریخ طبری کی جلد پانچ میں تحریر ہے کہ معاویہ نے اس سفارت کو جواب دیا ''چلے جاؤ میرے اور علی کے درمیان اب فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔'' اس طرح یہ سفارت ناکام واپس لوٹ آئی۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عراقی فوج وادی صفین پہنچی تو امیر المومنین کو یہ اندازہ لگانے میں مشکل نہ ہوئی کہ وادی میں پانی والی جگہوں پر شامی فوج کا قبضہ ہو چکا ہے اور شامی لشکر نے عراقی لشکر کو پانی کی فراہمی مکمل طور پر بند کر دی۔ اس صورتحال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ایک دستہ کی قیادت کی اور پانی پر قبضہ حاصل کر لیا بعض جگہ ہے کہ مالک اشتر نے شامی فوجوں کو پیچھے دھکیل کر پانی کے کنوؤں پر قبضہ کیا۔ لیکن زیادہ تر تواریخ میں یہ بیان ملتا ہے کہ مالک اشتر کو اس میں ناکامی ہوئی اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شدید لڑائی کے بعد ان کنوؤں پر قبضہ حاصل کیا۔ اب اگر حیدر کرار چاہتے تو شامی

لشکر کو پانی سے محروم رکھ سکتے تھے اور شامی لشکر کا طمطراق شدت پیاس کے ہاتھوں یہیں دم توڑ دیتا۔ مگر اس شاہِ مرداں شیرِ یزداں کو کب گوارا تھا کہ اس کا دشمن بھی پیاسا رہ جائے۔ آپ نے پوری طرح سے شامی لشکر کو اجازت دی کہ وہ پانی لے سکتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے قیامِ امن کے لیے بھیجی گئی سفارت کو معاویہ نے نامناسب الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیامِ امن کی کوششیں ترک نہ کیں بلکہ ایک دوسری سفارت بھیجی جو کہ عدی بن حاتم، یزید بن قیس، زیاد بن حفظہ اور شعبث بن رعدیر مشتمل تھی۔ مگر یہ سفارت بھی شامی لیڈران کو قائل نہ کر سکی۔

اب جنگ کے علاوہ کوئی صورت نہ بچی تھی۔ تاریخ دان یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج اسّی ہزار پر مشتمل تھی۔ جن میں ۷۰ مجاہدین بدر اور ۴۰۰ انصار اور مہاجرین شامل تھے۔ جبکہ معاویہ کی فوج ایک سو بیس ہزار پر مشتمل تھی۔

تقریباً ۱۰۰ دنوں تک امن و صلح کے لیے کوششیں کی جاتی رہیں مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ماہِ محرم گذرتے ہی چھوٹی موٹی جھڑپیں ہونی شروع ہوئیں جن میں طرفین کے فوجیوں کو قیدی بنایا جانے لگا۔ پھر بھی کسی بڑے معرکے سے گریز کیا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک چلتا رہا۔ اب دونوں طرف کی افواج کے جذبات شدت اختیار کر چکے تھے لہٰذا باقاعدہ طور پر اس جنگ کا آغاز ۸ صفر ۶۵۷ عیسوی کو ہوا۔ اب میدان جنگ مکمل طور سے ایک کارزار بن چکا تھا۔ ایک خونریز جنگ جاری تھی۔ تاریخ دان ولیم منیر اپنی کتاب The Caliphate its rise and fall (London, 1924) میں اس طرح بیان کرتے ہیں

کہ دونوں افواج نے ایک مکمل اور بھرپور جنگ کا آغاز کیا طرفین کی تمام جنگی صلاحیت اس میں کارفرما تھی۔ حتیٰ کہ شام کے سائے گہرے ہونے تک بھی جنگ جاری تھی اور کوئی بھی برتری حاصل نہ کر پا رہا تھا۔

اگلی صبح ایک نئے جذبے کے ساتھ معرکہ کا آغاز ہوا۔ اس دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکرِ مدینہ کے سالار کا چارج سنبھالا اور کوفی لشکر کے ہمراہ ایک بھرپور حملہ کیا۔ اب کیا تھا شیر خدا خود میدان میں تھے شامیوں کی صفوں کی صفیں اُلٹنی شروع ہوگئیں۔ شامی اپنی طاقت پر مغرور تھے انہوں نے حیدر کرار کو کبھی جنگ کرتے دیکھا نہ تھا۔ جس طرف علی جاتے فوج کی صفیں تتر بتر ہو جاتیں۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ذوالفقار کا سامنا کر پائے۔

مغربی تاریخ دان ایڈورڈ گبن نے لکھا ہے کہ ''امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دن انتہائی بہادری اور دلیری کا مظاہرہ کیا کہ مخالف فوج اپنی لاشوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ ان کے لاشوں کی بے حرمتی نہ کی گئی اور خواتین قیدیوں سے بھی بہتر برتاؤ کیا گیا۔ اس جوانمرد کے حملے سے شامی فوجوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دن دو رنگوں والے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کی انتہائی وزنی دو منہ والی تلوار (ذوالفقار) انہوں نے مضبوطی کے ساتھ بھینچ رکھی تھی۔'' اب شامی افواج کی شکست واضح ہو چکی تھی مگر شامی ڈٹے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں جانب سے مسلمانوں کی شہادت سے سخت رنجیدہ تھے۔ گبن لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے بے جا خون کے سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مخالف کو پکارا کہ آؤ ہم دونوں باہمی لڑائی میں جنگ کا فیصلہ کیے دیتے ہیں بجائے اس کے کہ بے شمار مسلمانوں کا خون بے جاء ضائع ہو اور جو جیت جائے خلافت کا حقدار قرار پائے۔ مگر مخالف کو اس

صورت میں شکست کا مکمل یقین تھا۔ معاویہ اپنے حواس تقریباً کھو بیٹھا تھا اور میدانِ جنگ سے فرار کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے جرنیل عمرو بن العاص نے ایک ترکیب نکالی اور جب اگلے دن فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو عراقی فوجیں یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ شامیوں نے نیزوں پر قرآن رکھے ہیں اور لڑائی کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں۔

تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ شکست معاویہ کے بالکل سامنے تھی کہ عمرو بن العاص نے یہ چال کھیلی کہ شامی نیزہ برداروں کو قرآن نیزوں پر چڑھا کر بھیج دیا اور یہ نعرہ مارتے کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتابِ الٰہی فیصلہ کرے گی۔ اس سے قبل جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سفارت برائے قیام امن معاویہ کے پاس بھیجا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ اب فیصلہ میرے اور علی کے بیچ تلوار کرائے گی اور اب یہ شکست دیکھتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی افواج سے کہا کہ یہ عمرو بن العاص کی ایک چال ہے جو یہ شرمناک شکست سے بچنے کے لیے کھیل رہا ہے تم اس چال کا نشانہ نہ بنو۔ فتح تمہارے سامنے ہے آگے بڑھ کر اسے حاصل کرو۔ مگر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی طعن و تشنیع کے باوجود جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔

آخرکار طے یہ پایا کہ اہل شام اور اہل کوفہ کی جانب سے ایک ایک ثالث مقرر کیا جائے اور جو وہ فیصلہ مشترکہ طور پر متفقہ فیصلہ کریں۔ وہ طرفین کو قبول ہو۔ اہل شام نے اس کی خاطر عمرو بن العاص کا تقرر کیا۔ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مالک اشتر یا ابن عباس کا تقرر ہو۔ مگر اہل کوفہ نے اس کی شدید مخالفت کی اور ابوموسیٰ اشعری کو ثالث مقرر کرنے کے لیے

دباؤ ڈالا۔ (۱) اس طرح معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری ثالثین منتخب ہوئے۔

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثالثین سے یہ خطاب کیا کہ "تم ثالثین مقرر کیے گئے ہو تا کہ کتابِ اللہ کے مطابق حکم کرو۔ اگر تم یہ بھاری ذمہ داری کو نبھانے کا عزم رکھتے ہو تو ٹھیک بصورت دیگر تم اپنے آپ کو ثالث نہیں کہہ سکتے۔" (۲)

اس کے بعد افواج اپنے اپنے اطراف کو لوٹ گئیں۔

ثالثین پہلی دفعہ دومتہ الجندل میں اکٹھے ہوئے جو کہ کوفہ اور شام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے ثالثین کا آپس میں مشاورت کا سلسلہ متواتر چلتا رہا جس میں ہر طرح سے کشیدہ صورتحال کے ایسے حل کا جائزہ لیا جاتا رہا جو کہ طرفین کو قبول ہو۔ آخر میں طے پایا کہ ثالثین اپنے اپنے موکلین کو برخواست کر دیں گے اور پھر عوام الناس اور اکابرین صحابہ جس کا چاہے انتخاب کر لیں۔

جب ثالثین کا فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمرو بن العاص نے ابوموسیٰ عشری سے کہا کہ آپ بزرگ ہیں پہلے آپ فیصلہ دیجیے۔ ابوموسیٰ عشری نے جیسا کہ طے پایا تھا کہ طرفین کے موکل برخواست کیے جائیں گے لہٰذا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے عہدہ سے معزول کرنے کا ثالثی فیصلہ دیا۔ جب عمرو بن العاص کھڑے ہوئے تو انہوں نے چالاکی کی اور کہا کہ ابوموسیٰ عشری اپنے موکل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برخواست کر چکے ہیں میں اپنے موکل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے اندر سخت خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہوگئی تھی اور اگر اہل کوفہ کی بات نہ مانی جاتی تو یہ بات یقینی تھی کہ یہ آپس میں لڑ جائے۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے تجویز کنندہ ثالث ابوموسیٰ اشعری کا تقرر کرنا پڑا۔

(۲) اسعد الغباء جلد ۳ صفحہ ۲۴۶۔

کو برقرار رکھتا ہوں۔ عمرو بن العاص کی اس چالاکی سے سب ورطہ حیرت میں رہ گئے۔ ابو موسیٰ اشعری نے بہت کہا کہ طرفین ثالثین کا متفقہ فیصلہ کے پابند ہیں اور آپ نے یہ کیا کیا کہ یکطرفہ فیصلہ سنایا۔ مگر عمرو بن العاص نے جو چال چلنی تھی چل دی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس موقع پر یہ تھے کہ "واہ ابو موسیٰ اشعری کی سادگی۔"

نوٹ: قارئین کو یہ بات دھیان میں رکھنی چاہیے کہ جو ثالثین کی جانب سے فیصلہ تھا وہ قرآن اور سنت کے مطابق بالکل نہ تھا۔

چونکہ یہ فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق تھا اور نہ ہی قانونی تقاضوں کے مطابق سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بالکل قبول نہ ہوا۔

یہاں پر تاریخ میں مختلف روایتیں ملتی ہیں کچھ میں لکھا ہے کہ کوفی جب واپس آئے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے کہ آپ نے معاویہ سے فیصلہ کن جنگ کیوں نہ کی اور دوبارہ جنگ کے لیے زور دینے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب میں تمہیں جنگ کا کہتا ہوں تو تم میرے کہنے کا کچھ اثر نہیں لیتے اور اس کے مخالف عمل کرتے ہو اور جب میں تمہاری بات مانتا ہوں تو تم اس کے برخلاف مجھے کرنے کا کہتے ہو۔

دوسری جگہ ملتا ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاویہ کے خلاف جنگ کرنے سے پس و پیش کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہی تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے اور یہ دیکھ کر کچھ جانثار ان کے ساتھ ہوئے مگر زیادہ تر نے جنگ کا انکار کیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ جنگ لڑتے لڑتے ہم تھک چکے ہیں ہماری تلواریں خم کھا چکی ہیں۔ سواریوں میں اتنی سکت باقی نہیں کہ ہم مزید لڑ سکیں۔

یہیں پر خوارج کا گروہ وجود میں آیا۔ جن کا نعرہ تھا ''لا حکم لا للہ'' ان کا گروہ علیحدہ ہو کر یزدان میں جمع ہو گیا اور یہ طرح طرح کے فتنہ وفساد کھڑا کرنے لگے۔ بظاہر یہ لوگ بڑے دیندار معلوم ہوتے مگر عملی طور پر انتہائی قبیح لوگ تھے۔ راہ چلتے لوگوں کو پکڑتے اور دریافت کرتے کہ ثالثوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر وہ خوارج والے عقیدے کا اظہار کرتا تو چھوڑ دیتے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتا تو قتل کر دیتے۔ وہاں کے عام لوگ بھی ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے دیدہ دلیری کے ساتھ لوٹ مار بھی شروع کر دی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ کے خلاف فوجی کاروائیوں میں مصروف تھے اور بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کرنے میں لگے تھے کہ ان کے سفاکانہ کارناموں کا سن کر مجبوراً اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا اور خوارج کی سرکوبی کے لیے یزدان کا رُخ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی انتہا کوشش کی کہ معاملہ صلح و آشتی سے طے ہو جائے مگر خوارج اپنے عقیدہ پر ڈٹے رہے اس طرح صلح و امن کی ہر کوشش ناکام گئی۔ پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کی کوشش کو ختم نہ کیا۔ بلکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ امن کا جھنڈا لے کر میدان میں کھڑے ہو جائیں بیشتر لوگ اس جھنڈے کے تلے آ گئے اور بہت سے اپنے گھروں کو چل دیے۔ خوارج کی طاقت بظاہر ٹوٹ چکی تھی۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنے جہالت کے اُصول پر ڈٹے رہے۔

آخرکار ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں خوارج بے جگری سے لڑے مگر لشکرِ علی کا سامنا نہ کر سکے اور عبرتناک شکست کھائی۔ عراقی فوجوں نے ان کا

مکمل صفایا کر دیا تھا۔ دس ہزار خارجیوں میں سے بمشکل بیس بچ سکے تھے۔ نہروان میں تو ان کا صفایا ہو گیا مگر یہی سوچ رکھنے والے اسلامی مملکت میں بے شمار جگہ موجود تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افواج کے اندرونی خلفشار نے وحدت کو بالکل توڑ پوڑ کر رکھ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپاہ کو اکٹھا کرنا مشکل ہو گیا کہ شام کا قصد کر سکیں۔ کئی اہم جرنیل اپنے لشکر لے کر علیحدہ ہو گئے اس صورتحال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ انتہائی رنجیدہ خاطر ہوئے۔

جنگ صفین کے حوالے سے اہم واقعہ:

جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑ رہے تھے۔ حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی جب عمار یاسر نے شامی لشکر کے ہاتھوں شہادت پائی تو آپ کے رفقا نے با آواز بلند کہنا شروع کر دیا کہ عمار شہید ہو گئے۔ وجہ اس کی بابت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی بتا دیا تھا کہ ''عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' [1] اس پر بیشتر مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور جب آپ کی شہادت ہوئی تو اُن بزرگ صحابہ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے یہ حدیث یاد آ گئی۔ یہ حدیث تو اُتر کے ساتھ ثابت ہے۔ حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''اے عمار تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' تفسیر دُر منثور میں بھی ملتی ہے۔

---

[1] علامہ ابن حجر، ابن کثیر، المرتضیٰ مولانا سعید ابوالحسن ندوی۔

اضافہ جنگ صفین:

جب عراقی کسی طرح سے بھی جنگ کے لیے آمادہ نہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صورتِ حال سے انتہائی دل گرفتہ ہوئے اور ایک انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد کیا جو کہ ادب کی دُنیا میں بے مثال ہے۔ کوئی اور دنیاوی تحریر اس کے پائے کی نہیں۔ اس خطبہ سے چند اقتباسات:

''اما بعد! جہاد جنگ کا ایک دروازہ ہے جس نے اس سے روگردانی کی اللہ نے اُس کو رسوائی اور ذلت کا پیراہن پہنا دیا ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنی۔ میں نے تمہیں رات دن علانیہ اور رازدارانہ طریقوں سے اُن لوگوں کے خلاف جنگ کے لیے اُبھارا.........مگر تم نے بہت ہمتی دکھائی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے میری بات تم پر گراں گذری اور اس کو پس پشت ڈال دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تم پر حملے کیے گئے .... ایک سپاہی گھر میں گھس کر مسلمان خاتون یا ذمی خاندان کی عورت کے کان سے اُس کی بالیاں اور پیروں سے اُس کے پازیب اُتار کر اطمینان سے چلا جاتا ہے اور یہ سب فوجی لوٹ مار کے مال سے بھرے ہوئے یوں واپس جاتے ہیں کہ کسی کو ایک خراش بھی نہیں لگتی۔ اگر کوئی غیرت مند مسلمان اس صورتِ حال کو دیکھ کر غم سے مر جائے تو میرے نزدیک قابل ملامت نہ ہوگا بلکہ تحسین کا سزاوار ٹھہرے گا۔ حیرت بالائے

حیرت ہے جو دل کو مردہ اور عقل کو بیکار کر دے اور رنج وغم کو دوبالا کر دے کہ باطل پر یہ لوگ اس درجہ متحد ہوں اور تم حق پر ہوتے ہوئے انتشار و بے ہمتی کا شکار ہو۔ تم نشانہ بنائے گئے ہو اور تم پر تیر چلائے جاتے ہیں۔ مگر تم تیر نہیں چلاتے تم پر حملہ کیا جاتا ہے مگر تم جواب نہیں دیتے۔ کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی تمہارے سامنے نافرمانی ہوتی ہے اور تم مطمئن ہو۔ اگر تم سے کہتا ہوں کہ جاڑوں میں اُن پر حملہ کرو تو کہتے ہو کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور کبھی کہا کہ موسم گرما میں اپنے دشمن پر حملہ کرو تو کہتے ہوئی تو آگ برسنے کا زمانہ ہے۔ ذرا مہلت مانگتے ہو کہ اس شدت کی گرمی گذر جائے واللہ تم جاڑے اور گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے کہیں زیادہ بھاگو گے تم نے میری ساری سیاست پر پانی پھیر دیا۔ غصہ وغم سے مجھے بھر دیا۔ یہاں تک کہ قریش کہتے ہیں کہ ابو طالب کا فرزند ہے تو بہادر مگر جنگ کی حکمت نہیں جانتا۔ بہت خوب! کون ہے جو فن جنگ سے مجھ سے زیادہ واقف ہو خدا گواہ ہے میں جنگ میں اس وقت آیا ہوں جب میری عمر ۲۰ سال سے کم تھی اور آج ساٹھ سال سے زیادہ عمر ہو چکی ہے۔ لیکن جس کی بات نہ مانی جائے اس کی کوئی حکمت نہیں چلتی اور ہزار صاحب الرائے ہو کوئی نہیں مانتا۔"

جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں (۱) کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس سے بھی جنگ کی اس میں حق پر علی ہی تھے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن سے ایسا معاملہ نہ کرتے تو کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں جب اختلاف ہو تو کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔''

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عصر میں روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سب سے اعلیٰ و افضل انسان تھے۔ سب سے زیادہ اللہ کے عبادت گذار سب سے زیادہ دُنیا سے بے غرض و رغبت سب سے زیادہ علم و فضل کے حامل، سب سے زیادہ خوفِ خُدا رکھنے والے انسان تھے۔ پھر بھی لوگوں نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ان سے کنارہ کش ہو گئے یہاں تک کہ امیر المومنین خود اپنی زندگی سے اُکتا گئے اکثر ریشِ مبارک پکڑ کر فرماتے خون سے رنگ دی جائیگی۔'' (۲)

جناب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو یہ بھی کہتے سنا گیا کہ وہ شقی (حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل) کس انتظار میں ہے آئے اور میری داڑھی خون میں تر بتر کر دے۔ (۳)

حالات یہ تھے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تمام علاقے نکلتے جا

---

(۱) المرتضیٰ صفحہ ۲۶۸۔ (۲) ایضاً بحوالہ البدایہ والنہایہ۔

(۳) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی مطلع کر دیا تھا کہ دُنیا میں دو طرح کے لوگ انتہائی شقی ہیں ایک آل ثمود جنہوں نے صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور دوسرے وہ جو تمہاری (علی) داڑھی خون میں تر بتر کر دیگا۔''

رہے تھے شامی جہاں چاہتے لوٹ مار کرتے۔ آپ کی افواج انتشار کا شکار تھیں آپ کے بارہا سمجھانے پر بھی جنگ کے لیے آمادہ نہ ہوئیں۔ جس سے کہ صورتحال دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔

شہادت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

خوارج کے خاتمے کے بعد سے ہی تین افراد نے مل کر یہ منصوبہ تیار کرنا شروع کیا کہ شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مصر میں عمرو بن العاص اور عراق میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک ہی وقت میں قتل کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی ذمہ داری ابن ملجم نے لی جو کہ ایک مفرور خارجی تھا۔ یہ کوفہ پہنچ گیا اور ایک رات اور جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے آپ نماز کے لیے نکلتے تھے اور لوگوں کو نماز کے لیے پکارتے تھے۔ ۱۷ رمضان کو یہ شقی القلب اسی جگہ چھپا بیٹھا تھا اور اپنی تلوار زہر میں بجھائے ہوئے تھا جونہی آپ نکلے ہیں اس نے سر پر ایسا وار کیا کہ سر کے خون سے ریش مبارک رنگین ہوگئی۔ آپ شدید زخمی حالت میں تین دن تک حیات رہے اور اپنے فرزندوں کو ضروری نصیحتیں کرتے رہے اور پھر ۲۱ رمضان کو شہادت پا گئے۔

روشن جمالِ یارر سے ہے انجمن تمام

ابن ملجم کے قاتلانہ حملے کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے درج ذیل وصیت کی۔

''تم سب کو میری وصیت ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ ہونے دینا۔ یہ دو ستون تم نے قائم کر لیے تو کیا کہنا ہے تمہارا۔ کل میں تمہارا

ساتھی تھا۔ آج تمہارے لیے عبرت ہوں اور آئندہ کل تم سے جُدا ہو جانے والا ہوں۔ اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا خود مجھے اختیار ہے۔ فنا ہوگیا تو فنا ہی کی طرف مجھے لوٹنا تھا قاتل کو معاف کر دوں گا تو یہ معاف کرنا میرے لیے قربتِ الٰہی کا سبب بن جائے گا اور اِس میں تمہارے لیے بھی بھلائی ہوگی تو اے لوگو! معاف کرو۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خُدا تمہیں معاف کر دے۔ بخدا موت کے کسی پیاسے بھی میں نے کراہت نہیں کی، موت کے کسی قاصد سے بھی مجھے وحشت نہیں ہوئی۔ آج میری مثال اِس پیاسے کی سی ہے۔ جو پانی کی تلاش میں گھاٹ پر پہنچ گیا ہو۔ جسے اپنی جستجو میں کامیابی نصیب ہوگئی ہو۔ خُدا کے پاس جو کچھ ہے نیکوکاروں کے لیے بہتر ہے۔"

باب نمبر۲

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آیاتِ قرآن کی روشنی میں

اللہ تبارک و تعالیٰ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض اعمال اس قدر پسند آئے کہ قرآن کریم میں کئی جگہ ان کی شان میں محبت بھرے انداز میں آیات قرآنی نازل فرمائیں۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں جتنی آیات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شانِ مبارک میں نازل ہوئیں اور کسی کی شان میں نہیں ہوئیں۔[۱] اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عتاب فرمایا ہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کیساتھ ہے۔[۲]

طبرانی اور ابن حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس جگہ قرآنی شریف میں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے وہاں سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے امیر و شریف ہیں۔[۳]

تمام آیات قرآنی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں اُن کا سب کا تفصیلی بیان تو یہاں محال ہے مگر اُن میں سے چند ایک ترجمہ و تفسیر اور دیگر تاریخی روایتوں اور حوالوں کے ساتھ درج ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۸ (از امام جلال الدین سیوطی) [۲] ایضاً [۳] ایضاً

سورۃ البقرہ آیات نمبر ۲۷۴ میں ہے:

"جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں چھپ کر اور علانیہ، تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ انھیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

تفسیر:

امام عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبد الوہاب بن مجاہد عن ابیہ عن ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ کے پاس چار درہم تھے۔ آپ نے ایک درہم رات کو، ایک درہم دن کو، ایک درہم خفیہ اور ایک درہم اعلانیہ خرچ کیا۔ امام ابن ابی حاتم نے حضرت مسحر عن عون رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ایک شخص نے تلاوت کی پھر کہا چار درہم تھے۔ ایک رات کو، ایک دن کے وقت، ایک خفیہ اور ایک علانیہ خرچ کیا۔ (۱)

سورۃ آل عمران آیات مبارکہ نمبر ۳۳، ۳۴ میں ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم (علیہم السلام) کے گھرانے کو سارے جہاں والوں پر۔ یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

(۱) تفسیر دُرِ منثور از امام جلال الدین السیوطی۔

تفسیر:

امام ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے علی کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آل ابراہیم کی تفسیر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد آل ابراہیم، آل عمران، آل یاسین اور آل محمد میں سے مومن ہیں۔ ①

درمنثور میں ذُرِّیَّۃً بَعۡضُھَا مِنۡ بَعۡضٍ کی تفسیر میں امام ابن سعد اور ابن ابی حاتم نے حضرت جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اُٹھو اور خطبہ دو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ خطبہ دوں اور آپ میرے سامنے ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی جگہ بیٹھ گئے جہاں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی گفتگو سن رہے تھے۔ مگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نظر نہیں آتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اُٹھے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد خطبہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں الفاظ کو پڑھا۔ ② (یہ ایک ہی نسل تو ہے جس میں ایک دوسرے کا فرزند ہے)۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۳۷ میں ہے:

"پھر قبول فرمایا اسے اسکے ربّ نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس

---

① تفسیر دُرِمنثور جلد دوم صفحہ ۵۱۔

② المرتضیٰ سیرت امیر المومنین سیّدنا علی ابنِ ابی طالب از مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی بحوالہ البدایۃ والنہایہ۔

زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق)! مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب۔"

تفسیر:

امام جلال الدین سیوطی نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں داخل ہوئے تو وہاں انگور ٹوکری میں پائے جبکہ انگور کا موسم نہ تھا۔ یہ روایت مختلف راویوں کے حوالے سے جن میں امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس سے تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک ٹوکرا پایا جس میں بے موسم کے انگور تھے۔

ان ہی آیات کے آخری الفاظ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ امام ابو یعلی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز سے کھانا تناول نہ فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لائے مگر کھانے کو کچھ نہ تھا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میرے پاس بھی کچھ نہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ کی ایک پڑوسن نے دو روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے یہ رکھ لیا اور کہا کہ میں اپنے آپ اور گھر والوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دوں گی جب کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سب گھر والے

سخت بھوکے تھے۔ آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کرنے کے لیے پیالہ سے کپڑا ہٹایا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو حیران رہ گئیں اور جان گئیں کہ سب اللہ تعالیٰ کی برکت ہے۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بیٹی یہ کھانا تیرے پاس کہاں سے آیا ہے۔ عرض کی! ابا جان اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر کہا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تجھے بنی اسرائیل کی عورتوں کی سیدہ کی طرح بنایا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ انہیں رزق حسن عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا کہ یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ تو وہ کہتی یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (۱)

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۵۵ کے الفاظ میں ہے:

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ سے مراد یہ ہے کہ میں تمہیں اُٹھانے والا ہوں اور آخر زمانہ میں تجھے موت عطا کروں گا۔

تفسیر دُرِ منثور (۲) میں امام جلال الدین سیوطی نے مستدرک حاکم (۳) کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ امام حاکم نے حضرت حریث بن مخشی سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۲۱ رمضان کو شہید کیا گیا تو میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا کہ آپ کو اُس رات شہید کیا گیا جس رات

---

(۱) تفسیر دُرِ منثور از امام جلال الدین سیوطی۔

(۲) جلد دوم صفحہ ۱۰۴۔ (۳) مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۵۴۔

قرآن حکیم نازل ہوا۔ اس رات شہید کیا گیا جس رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام قید کئے گئے۔ اس رات شہید کیا گیا جس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی۔

سورت آل عمران کی آیات نمبر ۵۹ تا ۶۳ میں ہے:

"بے شک مثال عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو ہو گیا۔ (اے سننے والے!) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ علیہ السلام انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے بیان کی گئی ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس یقینی علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے اللہ کے حضور التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔ بے شک یہی ہے واقعہ سچا اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو۔"

درج بالا آیات کی تفسیر:

امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر دُرِ منثور میں درج کیا ہے کہ امام ابو

نعیم نے دلائل میں کلبی کے واسطہ سے ابو صالح رحمہ اللہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نجران کا ایک عیسائی وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ان کے سردار تھے اور چودہ آدمی تھے۔ ان میں سید (یہی ان میں سب سے بڑا تھا) عاقب اس کا مقام و مرتبہ اس کے بعد تھا اور یہی صاحب الرائے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں سے فرمایا اسلام قبول کر لو۔ دونوں نے کہا ہم اسلام لا چکے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم دونوں اسلام نہیں لائے۔ دونوں نے جواب دیا کیوں نہیں ہم آپ سے پہلے ہی اسلام لائے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تین چیزیں تمہیں اسلام قبول کرنے سے روکتی ہیں۔ تمہارا صلیب کی عبادت کرنا، خنزیر کھانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں جنہیں حضور ﷺ نے ان پر تلاوت کیا۔ جب حضور ﷺ نے ان آیات کو تلاوت کیا تو انہوں نے کہا جو تم کہتے ہو ہم تو اسے نہیں جانتے تو بعد والی آیت نازل ہوئی کہ جو جاننے کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے جھگڑا کریں تو انہیں کہو آؤ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کریں کہ حضرت محمد ﷺ جو پیغام حق لائے ہیں۔ وہ حق ہے اور جو وہ کہتے ہیں وہ باطل ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم اسلام قبول نہ کرو گے تو میں تم سے مباہلہ کرونگا۔ انہوں نے عرض کی اے ابو القاسمؐ ہم واپس چلتے ہیں اور اپنے معاملہ میں غور و فکر کرتے ہیں۔ پھر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ وہ ایک دوسرے سے ملے اور سچی سچی باتیں کی سید نے عاقب سے کہا کہ اللہ کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ نبی مرسل ہیں۔ اگر تم اس سے لعان کرو گے تو وہ تمہیں نیست و نابود کر دے گا کسی قوم نے کبھی بھی کسی نبی سے لعان نہیں کیا۔

مگر ان کا نہ کوئی بڑا بچا ہے اور نہ ہی چھوٹا پروان چڑھا ہے۔ اگر تم اس کی پیروی نہیں کرنا چاہتے اور اس کی وجہ صرف تمہاری اپنے دین سے محبت ہے تو اسے چھوڑ دو اور اپنے ملک کی طرف واپس چلے جاؤ۔ حضور ﷺ ان کی طرف جب تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں دُعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نصاریٰ نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر رضا مندی اختیار کی۔ (۱)

آیات سورۃ آلِ عمران کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی آگے چل کر ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ امام مسلم، امام ترمذی، ابن منذر حاکم اور بیہقی نے سنن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ فاوابناءَ کُمْ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا یہ میرے اہل ہیں۔ (۲)

القرآن الحکیم (۳) میں ان آیات کی تفسیر کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ آیت (۴) میں تن سے مراد تو خود اہل مباحثہ ہیں اور نساء سے مراد گھر کی عورتیں آپ ﷺ بوجہ خاص حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو لائے۔ اس طرح ابناء نا سے خاص صلبی اولاد مراد نہیں بلکہ عام ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کو لائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لائے۔

علامہ اشرف تھانوی صاحب تفسیر میں آگے لکھتے ہیں کہ اگر اہل نجران

---

(۱) مستدرک حاکم۔ (۲) تفسیر جلالین۔
(۳) از مولانا اشرف تھانوی۔ (۴) سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۶۱۔

عیسائی وفد مباہلہ کر لیتا تو ان کے اہل اور اموال سب ہلاک ہو جاتے۔

مولانا شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ اس قدر سمجھائے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو اُن کے ساتھ قسم کرو یہ بھی ایک صورت فیصلہ کی ہے کہ دونوں طرف اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور دُعا کریں کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اس پر لعنت اور عذاب پڑے پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو لے کر گئے۔ اِن نصاریٰ میں جو دانا تھے انہوں نے مقابلہ نہ کیا اور جزیہ دینا قبول رکھا۔ (۱)

ابن کثیر نے بھی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائی وفد کے ساتھ مباہلہ کے لیے جن افراد کو لے کر گئے۔ ان میں خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بی بی فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔

سورت النساء آیت نمبر ۱۵۵، ۱۵٦ میں ہے:

"بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہتان باندھنے کے باعث۔"

تفسیر:

درج بالا آیات کو اگر آیات ۱۵۳ اور ۱۵۴ کے ساتھ پڑھا جائے تو مطلب خاصا واضح ہو جاتا ہے کہ جو قوم نے نبیوں کے قتل۔ اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور خدا سے کیے ہوئے وعدوں کو توڑ دیا اور پھر اُوپر سے سینہ تان کر کیے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔ پھر انکے اس رویہ کفر کے جواب میں

(۱) القرآن الحکیم تفسیر شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ صفحہ نمبر ٦٨۔

اللہ تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۵۵ میں فرماتا ہے۔ یوں نہیں بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد اس آیت کی تفسیر میں امام بزار اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تابع عرش الٰہی کے ساتھ لٹکا ہوا ہے جب حرمت پامال کی جائے۔ نافرمانیاں کی جائیں اور اللہ تعالیٰ ہر جرأت کی جائے اللہ تعالیٰ تابع کو بھیجتا ہے جو اس بندے پر مہر لگا دیتا ہے جس نے یہ عمل کیے ہوں اس کے بعد اس سے کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ بندوں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ اپنے اعمال اُس کے حکم کے تابع کر لیں۔ لیکن جب کوئی اس حد تک گذر جائے کہ وہ کر بیٹھے جو کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ اللہ سے کیے وعدوں کو توڑ دیا جائے اور اللہ کے کلام (آیتوں) کا انکار کیا جائے اور انبیاء کو ناحق قتل کیا جائے اور پھر کفر کی پختہ حال کے ساتھ یہ کہا جائے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ان لوگوں کو لا جواب کر دیتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں بلکہ مہر لگا دی اللہ نے تمہارے دلوں پر۔

آیت نمبر ۱۵۶ میں پچھلی آیت سے منسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ایسے کفر میں پڑے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور یہ طے پاتا ہے کہ اب ایسے لوگوں کی طرف سے کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا تو اس آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ یہ مہر ان کے کفر کے باعث اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتانِ عظیم باندھنے کے باعث ہے۔ امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بُهْتَاناً عَظِيماً کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت لگائی اسی آیت کے حوالے سے امام بخاری نے تاریخ اور حاکم

---

[1] تفسیر دُرِ منثور متوالہ شعب الایمان، باب فی معالجتہ کل ذنب بالتوبۃ۔

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ جبکہ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علی! تجھ میں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بغض کیا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا۔ نصاریٰ نے محبت کی یہاں تک کہ آپ کو ایسا مقام دیا۔ جو آپ کا مقام نہ تھا۔

اس حوالے سے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مومن تم سے محبت رکھے گا اور منافق بغض'' اس حدیث کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اگر میں مومن کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں وہ پھر بھی میری محبت کا اقرار کرے گا۔ جبکہ منافق کو تمام دُنیا کی دولت دے دی جائے اور کہا جائے کہ مجھ سے محبت رکھے تو اُس سے ایسا نہ ہوگا۔''

تاریخ الخلفاء میں درج ہے کہ ترمذی نے ابو سعید سے کی روایت ہے کہ ہم منافق کو بغض علی سے پہچان لیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر غدیر خُم کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس کا میں مولا اُس کا علی مولا یا الٰہی جو علی کو دوست رکھے تو بھی اُسے دوست رکھ اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔''

غرضیکہ کئی ایک احادیث جو منقبت علی میں بیان کی جاتی ہیں۔ اُن میں کچھ اس آیت قرآنی (۱۵۶) کے پلیرائے میں بیان کی جاتی ہیں۔

سورت المائدہ آیت نمبر ۵۵ میں ہے:

''تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول پاک ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں

جھکنے والے ہیں۔"

تفسیر:

امام خطیب نے متفق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی صدقہ کی جبکہ آپ حالت رکوع میں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل سے پوچھا تجھے یہ انگوٹھی کس نے دی ہے؟ اِس نے عرض کی اِس رکوع کرنے والے نے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

یہ روایت مختلف راویوں سے تفسیر دُرِ منثور میں درج ہے جس میں ایک اُوپر بیان کر دی گئی ہے جبکہ ان روایتوں میں سے ذرا تفصیل سے ایک اور روایت ہے کہ امام طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس سائل آ کر کھڑا ہو گیا جبکہ آپ نفلی نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگوٹھی اُتاری اور سائل کو دے دی۔ وہ سائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ کہہ سنایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتری۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اپنے صحابہ پر پڑھی۔ "پھر کہا جس کا میں دوست اس کا علی دوست ہے۔ اے اللہ! اس کا دوست بن جو علی کا دوست بنے اور جو علی سے دشمنی رکھے اسے اپنا دشمن رکھ۔" (۲)

تفسیر الکبیر (۳) میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دورانِ نماز مدینہ مسجد کے باہر کسی نے صدا لگائی کہ کوئی ہے جو مجھے صدقہ یا خیرات دے۔ تب

---

(۱) تفسیر دُرِ منثور از امام جلال الدین سیوطی۔

(۲) ایضاً بحوالہ معجم اوسط جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۔ (۳) از فخر الدین رازی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز ادا کر رہے تھے اور حالتِ رکوع میں تھے آپ نے اس مانگنے والے کی توجہ اشارہ سے اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کی طرف مبذول کروائی کہ اسے لے جائے۔ تب اُس مانگنے والے نے آپ کی انگوٹھی لی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کو آپ کا یہ عمل اتنا محبوب ہوا کہ آپ کی شان میں قرآن کریم کی یہ آیت اُتری۔

سورت الاعراف آیت نمبر ۱۹۹ میں ہے:

"قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا اور رُخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔"

تفسیر:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں اولین و آخرین کے اچھے اخلاق پر تیری رہنمائی نہ کروں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جی ہاں ضرور فرمایئے تو آپ نے فرمایا تو اسے عطا کر جو تجھے محروم رکھے۔ اِسے درگزر کر جو تیرے ساتھ زیادتی کرے اور اس سے صلہ رحمی کر جو تجھ سے قطعہ تعلق کرے۔ [1]

درج بالا تفسیر امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر دُرِ منثور سے نقل کی گئی ہے یہاں یہ مقصد نہیں کہ یہ آیت قرآنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں اُتری ہے بلکہ یہاں اس کا بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ آپ نے اپنی عملی زندگی میں اس آیت قرآنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کر کے عملی نمونہ پیش کیا۔ اس کتاب اور دیگر کتب جو سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لکھی گئیں اور اسلامی

[1] تفسیر دُرِ منثور جلد سوم صفحہ ۴۹۰۔

تواریخ میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زندگی میں ہمیشہ کوشش کی کہ جو آپ سے قطعہ تعلق کرتا آپ اس سے تعلق جوڑتے۔ حتیٰ کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (جو کہ آپ کے خلاف جنگ میں شریک تھے) صلہ رحمی کی جس کا کہ اِن حضرات پر گہرا اثر پڑا۔ اس کے علاوہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین کے موقع پر بھی جب آپ نے شامی فوجوں سے پانی کے کنووں پر قبضہ حاصل کیا تو شامی لشکروں کو اس میں سے پانی حاصل کرنے کی بھرپور اجازت دی۔ غرضیکہ بے شمار ایسے مواقع نظر آتے ہیں جب آپ نے اس آیت کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ مصری عیسائی تاریخ دان جارج جارڈج نے بھی سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خصوصیت و خوبی کو بطور خاص اپنی کتاب Voice of human Justic میں رقم کیا ہے۔ (۱)

سورت التوبہ آیت نمبر ۱۹ میں ہے:

''کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اُس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں۔ وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ان کو ظالم لوگوں کو۔''

تفسیر:

تفسیر دُرِ منثور میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر طبری (۲) کے حوالے

(۱) جارج جارڈج کا سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے متعلق اجمالی خاکہ اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ رقم کر دیا گیا ہے جس میں اس نے انتہائی خوبصورت انداز سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خصوصیات کا اعادہ کیا گیا ہے۔

(۲) تفسیر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰۔

سے بیان کیا ہے کہ امام عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شعبی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ آیت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ان دونوں نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں ایک اور روایت ذرا تفصیل کے ساتھ ملتی ہے کہ امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے فضائل الصحابہ میں اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور صاحب البیت شیبہ دونوں بیٹھے اپنے مفاخر بیان کرنے لگے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم سے افضل و اعلیٰ ہوں۔ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہوں۔ اپنے باپ کا وصی ہوں اور حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں۔ پھر شیبہ نے کہا کہ میں تم (عباس رضی اللہ عنہ) سے افضل و اعلیٰ ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کے خاندان پر اس کی جانب سے امین ہوں۔ کیا اس نے تجھے اس طرح امین بنایا ہے۔ جس طرح مجھے بنایا ہے؟ تو اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے تو اِن دونوں نے جو کہا تھا وہ آپ سے بھی کہہ دیا اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کی نسبت زیادہ شرف اور عزت والا ہوں۔ کیونکہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو ایمان لایا[1] اور ہجرت کی۔ پس وہ تینوں حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چل پڑے اور آپ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہ دیا تو وہ واپس چلے گئے پھر چند دنوں بعد آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے انہیں بُلا بھیجا اور ان پر عشر کے آخر تک یہ آیت پڑھی۔

---

[1] سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مردوں میں آپ ہی پہلے ہیں جو تقریباً دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔

تفسیر دُرِ منثور میں اس آیت کی تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں سے بیشتر میں درج بالا واقعہ کے بارے میں ہی ذکر ملتا ہے۔

سورت الرعد آیت نمبر ۷ میں ہے:

"اور کافر کہتے ہیں کہ کیوں نہ اُتاری گئی ان کی طرف کوئی نشانی انکے ربّ کی طرف سے آپ تو (کجروی کے انجام بد) سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کیلئے ہادی ہیں۔"

تفسیر:

تفسیر دُرِ منثور[1] میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ اور الضحاک رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: میں منذر ہوں[2] اور اپنے ہاتھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر اشارہ کیا اور فرمایا! اے علی رضی اللہ عنہ! تو ہادی ہے میرے بعد تجھ سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔[3]

اسی آیت کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے کئی دوسری روایتیں بھی درج کی ہیں جن میں زیادہ تر اس بارے میں ہیں کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے کہا کہ میں منذر ہوں اور اے علی تم "ھادی" ہو۔

اس پر اکثر علماء وفقہا متفق ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد فقر و ہدایت کا سلسلہ آپ ہی سے رواں دواں ہے۔

سورت الشوریٰ کی آیت نمبر ۲۳ میں الفاظ آئے ہیں: **"اَلْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی"** اس کی تفسیر میں دو روایتیں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ مطلب واضح ہو

---

(۱) تفسیر دُرِ منثور جلد چہارم صفحہ ۱۲۹۔
(۲) ڈرانے والا ہوں۔
(۳) تفسیر طبری جلد ۱۳ عن ابن عباس۔

جائے۔ ترجمہ ان الفاظ کا ہے کہ ''قرابت کی محبت''۔ امام ابن منذر، ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے جبیر کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے قریبی کون ہیں۔ جن سے محبت کرنا واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما۔ (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ امام ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میری اہل بیت میں میری حفاظت کرو گے اور میری وجہ سے ان سے محبت کرو گے۔

اسی حوالہ سے ایک تاریخ کا بھی حوالہ ملتا ہے کہ جب حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہم کو بطور قیدی لایا گیا اور دمشق کے راستہ میں کھڑا کیا گیا تو ایک شامی کھڑا ہوا جس نے بے ادبی کے کلمات کہے اور کہا تعریف اللہ کی جس نے تمہیں قتل کیا اور تمہیں جڑ سے اکھیڑا تو حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے اُس شامی نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں مانگتا کوئی معاوضہ اس دعوت حق کا بجز قرابت کی محبت کے۔ مطلب یہ کہ اس دین حق اسلام کا جو میں نے تم تک پہنچایا ہے اس کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا سوائے اسکے کہ تم میرے اہل بیت سے محبت کرو اس پر اُس شامی نے کہا کیا تم بھی اس میں ہو آپ نے فرمایا ہاں۔ (۲)

ایضاً سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۳ کی تفسیر میں اہل بیت میں جو لوگ

---

(۱) تفسیر دُرِ منثور از امام جلال الدین سیوطی جلد پنجم صفحات ۱۰۴، ۱۰۴۰، ۱۰۳۷۔

(۲) ایضاً بحوالہ تفسیر طبری زیر آیت ہذا جلد ۲۵ صفحہ ۳۲۔

شامل ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ہیں اور نبی ﷺ خود ہیں۔

سورت الاحزاب آیت نمبر ۳۳ کا کچھ حصہ۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ○

"اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے۔"

تفسیر:

امام جلال الدین سیوطی ؒ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کئی ایک روایات کو تفسیر دُرِمنثور میں جگہ دی ہے جن میں سے کچھ ازواج رسول ﷺ سے متعلق ہیں مگر زیادہ تر اس سے متعلق ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی چادر میں ڈھانپ لیا اور اللہ ربّ العزت کے حضور دُعا کی یا اللہ یہ میرے اہل بیت (گھر کے افراد) ہیں ان سے نجاست و ناپاکی کو دور کر دے اور انہیں پاک و پاکیزہ کر دے۔

امام ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں، روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ان کے گھر میں تھے۔ آپ پر خیبر کی بنی ہوئی چادر تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لے کر آئیں جس میں خزیدہ (ایک کھانا ہے جس میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جاتے ہیں اس میں زیادہ پانی ڈالا جاتا

ہے۔ جب پک جاتا ہے تو اس پر آٹا بکھیر دیا جاتا ہے) تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں کو لے آؤ۔ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا انہیں بلا لائیں اسی اثناء میں کہ وہ کھانا کھا رہے تھے کہ حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں یعنی بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو چادر میں ڈھانپ دیا اور پھر چادر سے اپنا ہاتھ نکالا اور آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر عرض کی اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص افراد ہیں۔ ان سے رجس کو دور کر دے اور انہیں پاکیزہ بنا دے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بھی چادر میں آنا چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم بھلائی پر ہو۔

اسی آیت کی تفسیر میں ایک اور روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نکلے جبکہ حضور ﷺ پر دھاری دھار سیاہ بالوں والی چادر تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی چادر میں داخل کر لیا۔ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی داخل کر لیا پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ [۱]

سورت الزمر آیت نمبر ۳۳ میں ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝

"اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔"

تفسیر:

امام ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی

---

[۱] تفسیر دُرِمنثور جلد پنجم صفحہ ۵۶۴ بحوالہ تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۔

ہے: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصدق سے مُراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِہٖ سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۱)

تاریخی واقعات کے حوالے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ جو پیغام لے کر آئے تو پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں اور جو سچائی آپ لے کر آئے اُس کی تصدیق کرنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شامل تھے جبکہ آپ کی عمر دس سال تھی اور یہ بھی ثابت ہے کہ مردوں میں آپ ہی پہلے اسلام لے کر آئے۔ (۲)

جب حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قریش کو بلاؤ اور اُن کے لیے دعوت کا اہتمام کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جب سب کھانا کھا چکے تو نبی ﷺ نے سردارانِ قریش کو دعوت حق دی اور پکارا کہ کون میرا اس مشن میں ساتھ دے گا تو کہیں سے کوئی آواز نہ آئی مگر حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے آپ کی آواز کا جواب دیا کہ میں آپ کا ساتھ دونگا۔ (۳) اس پر تمام قریش نے ہنسنا شروع کر دیا لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اس صدا کو سچ کر دکھایا۔

سورت الزخرف آیات نمبر ۴۱ اور ۴۲ میں ہے:

"پس اگر ہم لے جائیں آپ کو (اس دارِ فانی سے) تو پھر ہم ان سے بدلہ لیں گے یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

---

(۱) تفسیر دُرِمنثور جلد پنجم صفحات ۹۱۱، ۹۱۲۔ (۲) سیرت ابن ہشام۔

(۳) تفسیر دُرِمنثور زیرِ ہذا سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۲۱۴ کی تفسیر۔

تفسیر:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ اس جہان سے پردہ فرما گئے اور انتقام باقی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنی اُمت میں کوئی ایسی چیز نہیں دکھائی جسے آپ ناپسند (۱) کرتے ہوں یہاں تک کہ آپ کو دُنیا سے اُٹھا لیا گیا اور ایسا کوئی نبی نہیں ہوا۔ جس نے اپنی اُمت میں عذاب نہ دیکھا ہو۔ اس سے آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ملتی ہے کہ آپ ﷺ کو اس چیز سے اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی کہ آپ کو اپنی اُمت میں وہ چیز دکھائیں جو آپ کو ناپسند ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اُٹھا لیا جبکہ عذاب باقی رہ گیا۔ (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ آپ وعدہ توڑنے والوں اور ظالموں سے میرے بعد انتقام لیں گے۔

سورت التحریم کی آیت مبارکہ چار میں الفاظ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ آئے ہیں انکے بارے میں امام جلال الدین سیوطی نے دُرِمنثور (۳) میں تاریخ ابن عساکر (۴) سے روایت بیان کی ہے کہ امام ابن مردویہ اور ابن عساکر رحمہ اللہ

---

(۱) سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں واقعہ طائف درج کیا ہے کہ کس طرح حضور ﷺ کی دعوت حق کے جواب وہاں کے رُدسا نے بد زبانی کی اور طائف کے اوباش جوانوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور اتنے پتھر مارے کہ آپ کے پاؤں مبارک سے خون نکل آیا اور جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ (دیکھئے جلد اوّل صفحہ ۱۵۱) اس پر آپ کے رفقہائے میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ طائف کے لیے بدعا کیجئے آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ (نبی کی بددعا کا مطلب ہے کہ وہ قوم عذاب کی مستحق ٹھہری)۔

نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

انہی الفاظ کی تفسیر میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی روایات ملتی ہیں۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نمایاں ہیں۔

سورت الحاقہ کی آیہ مبارکہ نمبر ۱۲ میں الفاظ ہیں وَّتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ یاد رکھنے والے کان پوری آیت نمبر ۱۲ کا ترجمہ: ''تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان۔''

تفسیر:

ابن مردویہ نے حضرت مکول سے یہ قول بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کریم سے التجاء کی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان اس طرح بنا دے۔ حضرت مکول نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شے نہیں سنی کہ میں نے اسے بھلا دیا ہو۔ (یعنی میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا اُسے یاد رکھا)۔ (۱)

ایک اور روایت میں امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ (۲) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! بے شک

---

(۲) (پچھلے صفحے کا حاشیہ) دُرِمنثور جلد پنجم صفحہ ۱۰۷۵ بحوالہ شعب الایمان، باب فی حب النبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ (۱۴۹۰) دارالکتب العلمیہ بیروت۔

(۳) تفسیر دُرِمنثور جلد ششم صفحہ ۶۴۳۔ (۴) تاریخ ابن عساکر جلد ۴۲۔

(۱) تفسیر دُرِمنثور جلد ششم صفحہ ۶۹۶ بحوالہ تفسیر طبری۔

(۲) حلیۃ الاولیاء۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تجھے قریب کروں اور تجھے علم سکھاؤں تاکہ تو اِسے محفوظ رکھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پس تو میرے علم کے لیے یاد رکھنے والا کان ہے۔

سورت الدھر آیت نمبر ۸ اور ۹ میں ہے:

"اور اس کی محبت میں محتاج یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تم کو بس خالص خُدا کے لیے کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گذاری کے۔"

تفسیر:

امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر دُرِمنثور میں اِن آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اہل بیت (حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہوئیں جب خیرۃ البرۃ علی المرتضیٰ اپنی زوجہ محترمہ بی بی فاطمۃ الزہر رضی اللہ عنہا اور اپنے فرزندان کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک فقیر نے صدا دی کہ کئی روز سے بھوکا ہوں کھانا کھلا دو تو آپ نے کھانا اُس فقیر کو دے دیا پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا تیار کیا تو ایک یتیم نے صدا دی کہ بھوکا ہوں کوئی یتیم کو کھانا کھلا دو تو آپ نے سارا کھانا یتیم کو دے دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بچا ہوا کھانا تیار کیا تو اس بار ایک قیدی نے صدا لگائی کہ بھوکا ہوں کوئی کھانا کھلا دے تو سب نے کھانا اُس قیدی کو دے دیا۔[1]

---

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ آپ رات بھر کسی کا کھیت سینچتے رہے اور مزدوری میں جو "جو" ملے وہ لے کر گھر آئے اور بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو کھانا تیار کرنے کو کیا باقی واقعہ وہی ہے جو

سورت البینہ کی آیت مبارکہ نمبر ۷ میں خَیْرُ الْبَرِیَّةِ کے الفاظ اللہ ربّ العزت نے نازل فرمائے ہیں جس کا ترجمہ ہے ساری مخلوق سے بہترین مکمل آیت کا ترجمہ ہے:

"(اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔"

تفسیر:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! بے شک یہ اور اس کے گروہ قیامت کے دن یقیناً کامیاب ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے: خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ساری مخلوق سے بہتر آ گیا۔ (۱)

امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر دُرِ منثور (۲) میں ان الفاظ کے حوالے سے جتنی بھی روایات بیان فرمائی ہیں۔ ان سب میں خَیْرُ الْبَرِیَّةِ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی بیان کیے گئے ہیں۔

نوٹ: جناب مولانا کوثر نیازی نے اپنی کتاب ''اندازِ بیان'' میں کیا خوب لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت ایمان کا حصہ نہیں بلکہ عین ایمان ہے

(بقیہ) اُوپر بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد سارا گھر فاقے سے رہا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو یہ ادا اِس قدر محبوب ہوئی کہ سورۃ الدھر کی یہ آیات نازل فرمائیں۔

(۱) تفسیر دُرِ منثور از امام جلال الدین سیوطی بحوالہ تاریخ مدینہ دمشق جلد ششم صفحہ ۱۰۷۔

(۲) ایضاً۔

اور حدیث نبوی ﷺ جو کہ متفقہ طور پر سب محدثین اور فقہا تسلیم کرتے ہیں جو غدیرخم کے مقام پر حجتہ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے تمام مجمع کو اکٹھا کر کے با آوازِ ارشاد بیان فرمائی: ''جس کا میں مولا اُس کا علی مولا یا الٰہی جو علی سے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ جو علی سے بغض رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔'' اس کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ کوئی مسلمان جناب امیر علیہ السلام سے محبت نہ رکھے اور جناب امیر علیہ السلام سے محبت رکھنے والے ہی ان کے گروہ ہیں۔

گذشتہ صفحات پر جناب سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ شیر خُدا رضی اللہ عنہ سے متعلقہ چند آیاتِ قرآنی کا ذکر ترجمہ وتفسیر اور تاریخی حوالوں کی روشنی میں کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ دو قرآنی آیات کے حوالوں کو اُن کے مضمون کے مطابق اس کتاب کے ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک و انذر یحشیوتك الاقربین جنابِ امیر علیہ السلام کے اسلام لانے سے متعلق باب میں درج ہے اور دوسری آیت انی متوفیك و رافعك (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۵۵) آپکی شہادت کے بارے میں واقعات کے حوالے سے درج کر دی ہے۔

باب نمبر ۳

حضرت علی کرم اللہ وجھہ احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔

اس باب میں کوشش یہ ہوگی کہ آپ کی ذاتِ بابرکات کے بارے میں جتنی احادیث نبوی ﷺ بیان ہوئی ہیں ان میں سے کچھ کا سیاق و سباق کے ساتھ احاطہ کیا جائے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔''

ابو موسیٰ ترمذی نے چار حوالوں سے اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''

بیشتر محدثین کرام نے اس حدیث کی اسناد کو درست اور مستند قرار دیا ہے جن میں ابو معاولہ، ابو موسیٰ ترمذی اور ابن عدی شامل ہیں۔ جبکہ ابو الفتح الددوی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں کچھ بھی درست نہیں ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیاتِ طیبہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں کہ آپ نے حضرت محمد ﷺ کے سایۂ شفقت و کرم

میں ہی ایام طفلی سے بلوغت تک پرورش پائی تھی اور آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہی تھی جس کی قربت کی بدولت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اندر علم و عقل فصاحت و بلاغت کے سمندر موجزن تھے۔ مکہ کے چند پڑھے لکھے لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کی حکمت و تدبر کے معترف تھے۔

صلح حدیبیہ کے صلح نامہ بھی حضور ﷺ نے آپ ہی سے تحریر کروایا تھا جو کہ مسلمانوں اور دین اسلام کے لیے فتح عظیم ثابت ہوا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے آپ ہی کو یمن کی قضاۃ پر مامور کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی تاریخ کے اوراق پر جابجا ملتا ہے کہ:

> ''میں اس مقدمہ سے پناہ مانگتا ہوں جس کے تصفیہ کے لیے ابوالحسن (علی) موجود نہ ہوں۔''

آپ نے ہی پہلی دفعہ قرآن میں نحو کو رائج کیا اور عربی زبان کے گرائمر کے اصول متعین کیے۔ مسجد نبوی ﷺ اور بعد میں مسجد کوفہ میں اکثر لوگ آپ کے گرد حلقہ بنائے رہتے اور اپنے مسائل و مقدمات کے بارے میں تصفیہ کرواتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ادوارِ خلافت میں اہم اور پیچیدہ معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی مشورہ و معاونت لیا کرتے تھے اور آپ کے مشورہ کو دیگر پر ترجیح دیتے ہوئے عمل پیرا ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کئی موقعوں پر اسلامی سزاؤں کے دُرست نفاذ کے لیے پہلے دونوں خلفاء کے دور میں کئی اہم اور پیچیدہ موقعوں پر معاونت کی

اور قرآن کے مطابق درست فیصلے کیے۔

ایسے کئی واقعات تاریخ کا حصہ ہیں جن سے یہ بات درست ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم وفضیلت میں نمایاں اور بلند مقام رکھتے تھے اور ان کی ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا۔

آپ مسجد کوفہ کے منبر سے اکثر فرمایا کرتے کہ "پوچھ لو پوچھ لو کہ میں تمہیں زمین سے زیادہ آسمانوں کے راز بتاؤں گا۔"

آپ کی فہم وفراست، عقل و دانش، فصاحت و بلاغت اور عدل و انصاف کے آپ کے دشمن بھی معترف تھے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

"کیا آپ اِس بات سے راضی نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہ مقام حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (ابن کثیر)

تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "تم (علی) اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

سیرت ابن ہشام میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

"اے علی! کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

یہ حدیث تواریخ کے حوالوں اور مستند احادیث کی کتابوں کے حوالے

سے متفقہ الیہ ہے کم و بیش تمام محققین و محدثین نے اسے درست اور صحیح قرار دیا ہے جن میں بخاری شریف، تاریخ طبری اور جامع ترمذی شامل ہیں۔

اس حدیث سے متعلق واقعہ کچھ یوں ہے کہ آپ ﷺ نے نو ہجری میں رومیوں سے جہاد کا حکم دیا۔ اس سلسلہ میں تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر اور خاندان پر اپنا نائب مقرر کیا اور لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ پیچھے منافقین نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اُوپر بار خیال کرتے ہیں اسی واسطے انہیں ساتھ لے کر نہ گئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ طعنے سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے لشکر سے جا ملے اور سارا قصہ حضور ﷺ سے کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے سارا ماجرا سنا تو فرمایا:

''اے علی! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو کہ ہارون کو موسیٰ سے تھی لیکن یہ بات کہ میرے بعد نبی نہیں۔''

نبی ﷺ کو آپ سے خاص محبت تھی کیونکہ آپ نے بچپن سے ہی حضور ﷺ کی آغوش اور سایہ رحمت میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے حضور ﷺ نے اس غلط فہمی (جو کہ منافقین نے پھیلائی تھی) کا ازالہ درج بالا حدیث سے کیا جس سے کہ اسلام دشمنوں کے منہ بند ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ، حیثیت و فضیلت سب پر واضح ہو گئی۔

رسالت مآب حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں جس کا مولا ہوں علی بھی اُس کے مولا ہیں، الٰہی! علی سے جو محبت رکھے اس سے تو بھی محبت فرما اور جو علی سے

بغض رکھے اس سے تو بھی دشمنی رکھنا۔'' (۱)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں اس حدیث مبارکہ کو اس روایت سے بیان کیا ہے کہ ''احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو الطفیل سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک وسیع مقام پر لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم غدیر خم کے موقع پر میری نسبت کیا ارشاد فرمایا تھا۔ اس مجمع سے تیس آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا .... (جو حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے)۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) میں یہ حدیث مبارکہ اور اس کے سیاق و سباق کچھ اس طرح درج ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم (۳) کے مقام پر تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

> ''حمد و ثناء کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے کہ خُدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک خُدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت و روشنی ہے، خُدا کی کتاب مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خُدا کو یاد دلاتا ہوں۔'' (۴)

---

(۱) تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی۔

(۲) از مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی۔

(۳) حجۃ الوداع ذی الحجہ ۱۰ ہجری بمطابق ۶۳۲ عیسوی۔

(۴) اہل بیت میں جو افراد شامل ہیں ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا،

سیرت میں اس کے فوراً بعد یہ بھی درج ہے کہ آخری جملہ یعنی اہل بیت سے محبت کے بارے میں آپ نے تین دفعہ ذکر فرمایا۔

نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں۔ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:

''جس کو میں محبوب (1) ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے
الٰہی جو علی سے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ اور جو
علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔''

درج بالا حدیث اپنے مطالب و معنی میں انتہائی اہم ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ محبت کا کہا گیا ہے اور ایک مسلمان کے لیے حکم رسول ﷺ کی اطاعت لازمی ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نبی ﷺ کے حکم اور اللہ سے دُعا کہ ''یا الٰہی تو بھی اُس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھ اور اُس سے عداوت رکھ جو علی سے بغض رکھے۔'' کو اس طرح پورا کیا جائے کہ علی رضی اللہ عنہ سے دلی محبت کا جذبہ رکھا جائے اور اس کے ساتھ دیگر اہل بیت سے بھی اس حدیث نبوی ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت و مرتبہ میں چار

(بقیہ) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ جس کا تفصیلاً ذکر سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۳ کی تفسیر میں ملتا ہے۔ اس کتاب کے باب ''حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی روشنی میں'' گذر چکا۔

(1) عربی لفظ ''مولا'' کا ترجمہ سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی نے محبوب درج کیا ہے جبکہ اکثر محدثین اور مورخین نے اس لفظ کو ترجمہ کے وقت ایسے ہی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں درج کیا ہے کہ ''جس کا میں مولا اُس کا علی مولا......''

چاند لگا دیے ہیں۔

اسی طرح حُبِ علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک اور حدیث مبارکہ ملتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! مومن تم سے محبت رکھے گا اور منافق بغض رکھے گا۔''

صحیح مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اُس ذات کی قسم جس نے دانا اُگایا اور جان پیدا کی مجھ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مومن تم سے محبت رکھے گا اور منافق بغض رکھے گا۔''

جامع ترمذی میں ابوسعید سے روایت ملتی ہے کہ ''ہم منافق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بغض سے پہچان لیا کرتے تھے۔'' [1]

بعض کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ''مومن کو چاہے میں تلوار سے کاٹ دوں مگر یہ مجھ سے محبت کو نہ چھوڑے گا۔ اور اگر منافق کو کاٹ دیا جائے کہ مجھ سے بغض چھوڑ دے تو اُس سے ایسا نہ ہوگا۔''

المستدرک میں درج ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے اُن سے یہاں تک بغض و عداوت کی کہ اُن کی (معصومہ) ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو اتنی کی جسکے وہ لائق نہ تھے۔ [2]

درج بالا حدیث ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ علامہ مجلسی نے اپنی کتاب

---

[1] تاریخ الخلفاء۔

[2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔

انوار الابحار میں ذرا تفصیل کے ساتھ درج کی ہے۔

تاریخی اور احادیث کی کتابوں میں نبی ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُنسیت کا ایک واقعہ ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی مہم پر بھیجا تو اُنہیں وہاں سے واپسی پر کچھ دیر ہوگئی تو آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ آپ ﷺ نے اللہ ربّ العزت کے حضور دُعا کی کہ یا اللہ مجھے اپنے پاس نہ بلانا جب تک کہ میں علی کو دیکھ نہ لوں۔ [1]

حُبِ علی کے حوالے سے کئی ایک احادیث ملتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج کر دی گئیں ہیں۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔''

جو احادیث مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں یہ بھی اُن میں سے ایک ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔''

محدثین نے اس حدیث کی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے متعلقہ ایک واقعہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میرے والد محترم (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہے اور مُسکراتے رہے۔ جب میں نے اُن سے اس کا سبب پوچھا تو والد محترم نے جواب دیا کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ علی کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

---

[1] کچھ کتابوں میں ''دیکھ نہ لوں'' کی بجائے ''پا نہ لوں'' درج ہے، مطلب ایک ہی ہے۔

"کل میں اُس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خُدا اور اُس کے رسول کو چاہتا ہے اور خُدا اور اُس کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔" ①

تاریخی اور احادیث کی کتب سے اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہودیوں کی شرانگیزیوں سے تنگ آکر انکے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا تو انکے گڑھ خیبر کی جانب پیش قدمی کی خیبر جو کہ کچھ قلعوں پر مشتمل تھا۔ ② اس میں سالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق، مربط اور ان میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ③ تمام قلعے با آسانی فتح ہوتے گئے۔ لیکن ان قلعوں میں سب سے مضبوط قلعہ قموص تھا جس کا امیر مرحب تھا جو کہ اکیلا ایک ہزار جوانوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ جب لشکر اسلام کا ان سے سامنا ہوا تو آغازِ جنگ میں نامور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم جذبہ اسلامی کے تحت مقابلے کے لیے آگے بڑھے مگر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس مہم میں زیادہ دیر ہوتے دیکھ کر نبی ﷺ نے درج بالا حدیث بیان فرمائی۔

اس حدیث کے بعد صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی رات بڑی اُمید و انتظار میں گذری کہ شاید یہ رتبہ و مرتبہ انہیں نصیب ہو جائے۔ اس حوالہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی بلند نظری اور قناعت کی بناء پر کبھی حکومت و سروری کی تمنا نہیں کی مگر اس رات آپ نے بھی اسی تمنا و اُمید میں رات گذاری کہ کاش صبح حضور ﷺ علم مجھے عطا فرمائیں۔ ④ مگر صبح کو جب حضور ﷺ نے آواز دی کہ علی کہاں ہیں تو یہ سب کیلئے غیر متوقع

---

① صحیح بخاری۔

② سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی۔

③ تاریخ یعقوبی۔ ④ صحیح مسلم (باب فضائل علی رضی اللہ عنہ)

تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آشوب چشم کی وجہ سے جنگ میں شامل نہ تھے حضور ﷺ نے انہیں طلب کیا اور ان کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور علم انہیں عطا کیا۔ تاریخی حوالوں سے ایک اور جگہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تین فضیلتیں ابوالحسن (علی) میں ایسی ہیں کہ اگر اِن میں سے کوئی ایک بھی مجھے مل جاتی تو یہ میرے نزدیک تمام دُنیا سے بڑھ کر ہوتی ان میں سے ایک جنگ خیبر کے موقع پر حضور ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا کرنا بھی شامل ہے۔

اِس غزوہ کے دیگر تفصیلی واقعات گذشتہ صفحات پر بابِ غزوات میں گذر چکے ہیں۔

بعض احادیث کی کتابوں میں مختلف روایتوں کے حوالے سے اس حدیث مبارکہ میں کچھ اضافی جملے بھی شامل ہیں۔ ''کل علم اُس شخص کو عطا ہوگا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا جو کرار ہوگا۔ جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسول بھی اُس سے محبت رکھتے ہیں۔''

ترمذی اور حاکم نے بریدہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اِن سے محبت رکھتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں ان کے نام بتا دیجئے آپ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک ہیں۔ (۱)

ابوتُراب:

سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ محمد ﷺ بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے

---

(۱) تاریخ الخلفاء۔ باقی تین افراد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔

گھر گئے تو جناب علی کرم اللہ وجہہ کریم کو نہ پا کر آپ ﷺ نے پوچھا فاطمہ رضی اللہ عنہا تمہارا چچا زاد کہاں ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جناب علی رضی اللہ عنہ مسجد میں گئے ہیں۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے اس طرح کہ چادر آپ کے جسم مبارک سے اُتری تھی اور مٹی آپ کے جسم پر لگی ہوئی تھی تو نبی ﷺ نے مٹی جھاڑتے ہوئے کہا اُٹھو ابوتراب اُٹھو ابوتراب۔ (۱) حضرت محمد ﷺ کی جانب سے دی گئی یہ کنیت آپ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی آپ کو ابوتراب کہہ کر مخاطب کرتا تو آپ تبسم فرما دیا کرتے تھے۔ اس سے پہلے آپ کی کنیت ابوالحسن تھی لیکن جب سے آپ ﷺ نے آپ کی کنیت ابوتراب عنائیت فرمائی تو جناب علی رضی اللہ عنہ کو یہ زیادہ محبوب ہوگئی۔

بہترین مخلوق:

انس بن مالک سے روایت ہے کہ: (۲)

مدینۃ النبی میں ہر روز مہاجر یا انصار میں سے کسی ایک شخص کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ جناب مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے گا۔ یہ فرائض کوئی پابندی کی وجہ سے نہ تھے بلکہ ہر شخص کی دلی تمنا ہوتی تھی کہ آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت کرے۔ اسی طرح ایک دن انصار میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کھانے کے وقت آپ کے سامنے ایک پرندہ کا گوشت رکھا گیا۔ آپ نے کھانے سے پہلے اللہ ربّ العزت کے حضور دُعا کی یا الٰہی میرے ساتھ کھانے کیلئے اپنی خلائق میں سے بہترین مخلوق کو بھیج۔ اب انصار کا

---

(۱) (ابوتراب کا معنی مٹی کے باپ) صحیح البخاری۔

(۲) المستدرک حاکم۔ یہی حدیث احادیث کی دیگر کتب میں بھی ملتی ہے۔ جامع ترمذی میں بھی مختلف الفاظ میں درج ہے۔

جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر تھا اُسکے دل میں یہ خواہش اُبھری کہ یہ بہترین شخص انصار ہی میں سے ہو۔ اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی۔ اس شخص نے دروازہ پر دیکھا تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ اس شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ نبی ﷺ مصروف ہیں ذرا دیر ٹھہر کر آئیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے۔ اس لیے یہ ڈیوٹی پر مامور شخص چاہتا تھا کہ یہ اعزاز و مرتبہ انصار میں سے کسی شخص کے حصہ میں آئے۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر اس نے کہہ دیا کہ کوئی تھا میں نے کہہ دیا کہ تھوڑی دیر بعد آئے۔ نبی ﷺ مصروف ہیں تھوڑی دیر بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے دیکھا اور پھر جناب مرتضیٰ کو ہی پایا اس نے اس مرتبہ بھی نبی ﷺ کی مصروفیت کا کہہ کر جناب علی رضی اللہ عنہ کو کچھ دیر بعد آنے کو کہا۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر پھر اس نے پہلے والا جواب دیا جب کچھ دیر بعد تیسری دفعہ دروازے پر دستک ہوئی تو یہ شخص دروازہ کھولنے جانے لگا تو محمد ﷺ نے کہا کہ "اسے آنے دو یہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی ہے۔" جو اللہ کی بہترین مخلوق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا نوش فرمایا۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

"اے علی! تم دُنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔" (الترمذی)

امام ترمذی نے اس حدیث کا درجہ حسن قرار دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ اور دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس بارے میں تاریخی پس منظر یوں ہے کہ مدینہ میں جب نبی ﷺ نے انصا مہاجرین کے درمیان مؤاخاۃ کرائی تو تمام انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کسی کے ساتھ مؤاخاۃ قائم نہ ہوئی۔ آپ

نے حضور ﷺ سے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سب کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا مگر میرا بھائی کسی کو نہ بنایا تب آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! تم دُنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ ابن اسحاق وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مواخاۃ خود اپنی ذات سے قائم کی۔ ①

نبی ﷺ نے جناب مرتضیٰ کی شان میں بے شمار احادیث بیان فرمائیں کچھ کا قدرے تفصیل سے ذکر گذر چکا اور کچھ کو مختصراً ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حبشی بن جنادہ سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں۔'' ②

جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے فرمایا کہ ''تمام لوگ مختلف درختوں کی شاخیں ہو۔ میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں۔'' ③

بہزار رحمۃ اللہ علیہ نے سعد سے روایت کی ہے کہ محمد ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''اس مسجد میں سوائے میرے اور تمہارے کسی کیلئے جنبی ہونا حلال نہیں ہے۔ (جنبی ہونے کی صورت میں اس مسجد میں داخل ہونا میرے اور تمہارے سوا کسی کے لیے حلال نہیں)۔'' ④

ابو یعلی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے علی رضی اللہ عنہ کو اذیت دی اس نے خود مجھے اذیت دی۔'' ⑤

---

① ابن ہشام میں اس طرح درج ہے کہ جب حضور ﷺ نے انصار و مہاجرین میں مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور فرمایا ''یہ میرا بھائی ہے۔''

② تاریخ الخلفاء۔ ③ جامع ترمذی، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ۔

④ ایضاً۔ ⑤ تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین سیوطی۔

اُم سلمٰی سے روایت ہے کہ میں نے محمد ﷺ کا یہ ارشاد خود سنا ہے کہ "علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے یہ دونوں مجھ سے جدا ہونے کے بعد مجھ سے کوثر پر پھر مل جائیں گے۔" (۱)

احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے بسند صحیح عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ "حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دو شخص سب سے زیادہ شقی ہیں۔ ایک تو آل ثمود جنہوں نے صالح علیہ السلام پیغمبر کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں اور دوسرے وہ شخص جو تمہارے سر پر تلوار مارے گا اور تمہاری داڑھی خون میں تربتر ہو جائے گی۔" (۲)

حاکم نے ابو سعید خدری کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ چند لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ شکایت پیش کی تو آپ ﷺ نے فوراً خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ "لوگو علی رضی اللہ عنہ کی شکایت ہرگز نہ کرنا وہ خداوند تعالیٰ کے راستے میں اور اس کے معاملات میں بہت سخت گیر ہیں۔" (۳)

ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تم قرآن کی تاویل پر اس طرح جھگڑتے ہو جس طرح میں تنزیل قرآنی پر کفار سے جھگڑتا تھا۔ (۴)

نوٹ: جو احادیث مختصراً بیان ہوئی ہیں۔ یہ تقریباً تمام امام جلال الدین سیوطی کی کتاب تاریخ الخلفاء سے نقل کی گئیں ہیں جس کے لیے بندہ شکر گذار ہے اور مؤلف کے لیے دُعا خیر ادا کرتا ہے۔

---

(۱) تاریخ الخلفاء بحوالہ طبرانی، اوسط، صغیر۔

(۲) تاریخ الخلفاء۔ (۳) ایضاً۔ (۴) ایضاً۔

باب نمبر ۴

ولایت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی ولایت وفقرا کے بے کراں سمندر ہیں تمام تصوف وفقر کے دریا آپ ہی سے آ کر ملتے ہیں۔ آپ ہی سے سلسلہ فقرہ تصوف جاری وساری ہے۔ آپ ہی اُمت مسلمہ کے لیے رشد و ہدایت کی شمع ہیں۔ آپ ہی سلسلہ ہدایت (فقر) کے امامِ اوّل ہیں۔ اکثر اولیاء صوفی آپ ہی سے سلسلہ ولایت جوڑتے ہیں۔

پہلے اس کے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ بابرکات کے صوفیانہ پہلو کا جائزہ لیا جائے تصوف کے بارے میں اجمالی جائزہ قارئین کی نظر کرنا ضروری ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی کتاب ''سلوک وتصوف کا عملی دستور'' میں تصوف کے بارے میں یوں رقم کیا ہے کہ جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال و احوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم ہیں۔ ایک کا تعلق افعال وحرکات اور امور محسوسہ سے ہے مثلاً قیام وقعود، رکوع وسجود، تلاوت وتسبیح، اذکار و ادعیہ، احکام و مناسک۔ من حدیث نے اس کی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی۔ علم فقہ نے اس سے مسائل وجزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور محدثین اور فقہا اُمت کے دین کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ اُمت کیلئے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔

دوسری قسم وہ ہے جن کا تعلق اِن باطنی کیفیات سے ہے جو ان افعال

وحرکات کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قیام و قعود رکوع و سجود ذکر و دُعا و نصیحت، گھر کے ماحول، میدانِ جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ اِن کیفیات کی تعبیر اخلاص، صبر و توکل:، زاہد و استغفاء، ایثار و سخاوت، ادب و حیاء، خشوع و خضوع، انابت تضرع، دُعا کے وقت شکستگی، دُنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دوسری باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں جن کی حیثیت جسم میں روح اور ظاہر میں باطن کی ہے۔

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے بہت خوبصورت انداز سے تصوف کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ ''اگر اس علم کو جو شرح و تفسیر سے متعلق ہے فقہ ظاہر کہا جا سکتا ہے تو وہ علم جو اِن کیفیات کی تشریح کرتا اور ان کے حصول کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔ ''فقہ باطن'' قرار دیا جا سکتا ہے یہی تزکیہ و احسان کا نظام اصطلاحاً تصوف کہلاتا ہے۔

جناب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے تصوف (فقر) کی تعریف کافی حد تک کھول کر بیان کر دی اب اس کی اہمیت جاننے کے لیے سراج السالکین فقیر کامل حضرت علامہ خان محمد شریف خان جدون قدس سرہ کی تصنیف ''خدا کا آخری پیغام'' سے کچھ نقل کرنا بے حد ضروری ہے جو کہ درج ذیل ہے:

ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل جو پیغامِ اسلام اقوامِ عالم کے سامنے رکھا تھا اس میں کیا معجزہ پنہاں تھا جس کی بدولت اعجازِ عیسوی ماند پڑ گیا تھا اور تثلیث نے توحید کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہی وہ معجزہ تھا جسے نبوت کے مقابلہ میں حضور ﷺ کو اَلْفَقْرُ فَخْرِی وَ الْفَقْرُ مِنِّی (مجھے اپنے فقر پر فخر ہے اور فقر مجھ سے جاری ہے) کی حدیث قدسی بیان فرمانے کا موقع دیا تھا۔ یہی وہ فخر ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''کہ میری اُمت کے علماء کا درجہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بہتر ہوگا۔''

ولایت کا یہی صدری علم آپ ﷺ پر اعلان نبوت سے قبل غار حرا میں آپ کے سینہ پر خدا تعالیٰ کی جانب سے فرمایا گیا۔ اسی علم لدنی یعنی علم باطن پر فخر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''مجھے فقر پر فخر ہے اور اسکے ذریعے مجھے جملہ خدا کے نبیوں اور رسولوں کے اعمال پر فخر حاصل ہوا ہے۔'' (حدیث قدسی)

درج بالا سطور سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نبی ﷺ نے نبوت کی بجائے فقر پر فخر فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ فقر مجھ سے جاری ہے۔

اب اس تمام گفتگو کے بعد اس حدیث نبوی ﷺ پر غور فرمائیں:

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اِس کا دروازہ ہیں۔''

یعنی تمام علوم صدری، تفسیری، تشریحی کے حصول کا طالب اِس دروازہ (علی) سے اندر داخل ہو۔ اُس وقت تک طالب حق کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تصوف کا امامِ اوّل تسلیم کر کے اِن سے فیض حاصل نہ کر لے۔ تصوف کا امام اوّل وہ جس کی غذا سوکھی جو کی روٹی اور ستو ہوں اور سخت سردی میں ایک چادر سے اپنا تن ڈھانپنے کی سعی کرتا ہو باوجود اس کے کہ شاہِ عرب ہو اور تمام خزانوں کا مالک ہو۔ مگر پھر بھی اس قدر سادہ زندگی گذارتا ہو کہ صرف زندگانی کی روانی قائم دائم رہ سکے۔

تصوف ہی ایک ایسا راستہ ہے جو کہ اللہ سے ملا سکتا ہے اسی کے ذریعے کاملیت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی محبت کا راستہ ہے۔ اسی میں نجات مل

سکتی ہے۔ انسان کی زندگی محدود اور دُنیا کی آسائشیں ناپائیدار ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے انسان کو جو خلیفۃ العرض قرار دیا تو ہمیں بھی اس کو ثابت کر کے دکھانا ہے نہ کہ زندگی کے شب و روز یونہی گذار دیں کہ نہ حق کو پہچان سکیں اور نہ ہی اُس ربّ الکریم کا مقصد پورا کر سکیں تو سمجھ لیں کہ ہماری زندگی ضائع گئی اور ہم نے روز آخرت کے لیے ذلت کو اپنا مقدر ٹھہرا لیا۔

ولایت تصوف کی اہمیت کو مزید اُجاگر کرنے کے لیے اللہ ربّ العزت نے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کیا ہے جس سے کہ بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک ولی اللہ کا رتبہ بارگاہِ الٰہی میں کتنا بڑا ہے۔ قارئین کرام کو ولایت کی اہمیت باور کرانے کے لیے اس واقعہ کو ''واقعات انبیاء علیہم السلام'' سے نقل کیے دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شاکرانہ زندگی ایک تسلسل کی داستان تھی وہ خداوند کریم کے ان احساناتِ عظیم کا برابر شکر ادا کرتے جو اس نے ان پر اور ان کی قوم بنی اسرائیل پر فرمائے تھے۔

ایک روز وہ خداوند کریم کے انہیں احسانات پر شکر گذاری کے لیے نماز و تسبیح میں مشغول تھے اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ سے درخواست کر رہے تھے کہ مجھ پر یونہی اپنی خوشنودی و کرم نوازی کو ہمیشہ جاری رکھ۔ انہوں نے اللہ سے سوال کیا۔ الٰہی علم و معرفت کی جو دولت تو نے مجھے بخشی ہے کیا اس عطیہ سے روئے زمین پر مجھ ہی کو سرفراز کیا ہے یا کوئی اور بھی خوش نصیب اس سے بہرہ مند ہوا ہے۔ (یہاں پر میں اپنے قارئین کو روکوں گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو جواب میں فرمایا اُس پر غور کرنیکی دعوت فکر دونگا)۔''

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام (جو کہ نبی اللہ ہیں)!

تمھیں بس اتنا ہی علم حاصل ہے جتنا ہمیں منظور ہے تمہاری معرفت بھی ہمارے ارادہ کے مطابق محدود ہے۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ ھو سے درخواست کرتے ہوئے عرض کی کہ اے ربّ! کیا کوئی ایسا شخص موجود ہے جو مجھ سے زیادہ عالم ہو۔''

(قارئین پھر غور فرمایئے کہ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں ہمارا ایک بندہ ہے جس کو وہ علوم بخشے گئے ہیں جو تمہیں حاصل نہیں اور نہ اِن علوم کی معرفت تم کو عطا کی گئی۔

اس سے آگے کا قصہ یوں کہ موسیٰ علیہ السلام اُس (نیک بندے) کو ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوتے ہیں،اور انتہائی سعی کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد سے اُن تک پہنچتے ہیں۔ وہ واقعات بھی انتہائی قابل غور ہیں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کی ہمراہی میں وقوع پذیر ہوئے۔ ان میں جگہ جگہ اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ولی اللہ جو کہ حضرت خضر علیہ السلام تھے کو نبی اللہ پر علم لدنی کے حوالے سے فضیلت و برتری حاصل ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''کہ پوچھ مجھ سے کہ میں تمہیں زمین سے زیادہ آسمانوں کے راز بتلاؤں گا۔''

ایک اور جگہ فرمایا کہ ''مجھے قرآن کریم سے متعلق پوچھو کہ اس کی آیات کس وقت کہاں اور کب نازل ہوئیں۔ دن کے وقت اُتریں یا رات کو میں ان کے شانِ نزول اور وجہ نزول کے بارے میں بتاؤں گا۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی کے سوا درج بالا دعویٰ کسی اور کی جانب سے نہ ہوا۔ آپ نے اس دعویٰ کو عملی طور پر کرکے بھی دکھایا۔ قرآنی آیات کی

تفسیر و تشریحات ہو کوئی عقلی بحث یا مقدمہ درپیش ہو۔ علم طریقت سے متعلق کوئی بات ہو آپ نے خوبصورت اور دل میں اُتر جانے والے انداز میں اِسے بیان فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ''میں تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔'' تو پھر خدا کو کہاں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور اس بات کا یقین کیسے ہوگا کہ ''اللہ کائنات زمین و آسمان کہیں نہیں سما سکتا کوئی الفاظ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر پاتے مگر یہ مومن کے دل میں سما جاتا ہے۔''

''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں
بس میں نے پیدا کیے جن و انس کہ وہ میری عبادت کریں
مگر مجھے پہچان کر۔''

اب کون یہ پہچان کرائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے جابجا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت کرنے سے متعلق ارشادات فرمائے ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر غدیرخم کے مقام پر جب آپ نے حبِ اہل بیعت سے متعلق لوگوں سے فرمایا تو اس کے ساتھ ہی اللہ عزوجل کے حضور دُعا فرمائی کہ ''اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو اُسے دوست رکھ اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اُس سے عداوت رکھ۔''

اور فرمایا کہ:

''جس کا میں ﷺ مولا اُس کا علی علیہ السلام مولا۔''

ڈاکٹر علامہ طاہر القادری لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اُمت مرحومہ میں سے جس شخص نے سب سے پہلے جذب کا دروازہ کھولا اور اس راہ پر وہ سب سے پہلے گامزن ہوئے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

صوفیاء کے تمام سلسلے ان کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اولیائے کرام اور اصحابِ طریق کا سلسلہ چلتا ہے۔

حضرت ابو الحسن سیّد علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (داتا صاحب) اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی غریق دریائے بلا اور حریق نار ولائے مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیا ابو الحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ یعنی آپ طریقت میں درجاتِ رفیعہ ہیں اور آپ اپنے وقت میں اُصولِ حقائق سے کامل حصہ رکھتے تھے یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہمارے شیخ اصول اور بلا میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں یعنی علم طریقت اور معاملات دونوں کے امام ہیں۔

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ سب کسبو میں سے پاکیزہ کسب کون سا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللّٰہِ یعنی جو دل کہ خداوند تعالیٰ کی محبت سے امیر ہو تو دُنیا کی نیستی اس کو فقیر نہیں کر سکتی اور اس کی ہستی اس کو امیر نہیں کر سکتی اور اس امر کی حقیقت فقراء اور تصوف سے کھلتی ہے۔

تصوف کا موضوع ہی ایسا ہے کہ آپ لکھتے رہیں مگر اس کے لطائف و اکرام بیان نہ کر پائیں گے اور اگر کہا جائے کہ اسے ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ لفظ ہوگا "محبت" اور اگر کہا جائے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت کے پہلو اُجاگر کریں تو یقین جانئے بہت مشکل ہوگا کہ اس عظیم ہستی کو آپ الفاظ میں بیان کر سکیں اور ایک اہم بات یہ کہ آپ علی کرم اللہ وجہہ تک حُب کے راستے ہی پہنچ سکتے ہیں۔

اتنا کچھ کہنے کے بعد بھی لگتا ہے کہ تشنگی باقی رہ گئی۔ کیونکہ اس کتاب میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی

گئی ہے مگر آپ کی اگر ایک ہی خصوصیت کے بارے میں لکھنا شروع کر دیں تو صفحوں کے صفحے لگ جائیں مگر آپ کی ایک خوبی ایک خصوصیت ایک کرامت کا احاطہ نہ کر پائیں۔ اس باب کے حوالہ سے تشنہ لبی کو حضرت علامہ اقبال کے اشعار سے پورا کیے دیتے ہیں۔

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نان جویں بخشی ہے تو نے
اِسے بازو سے حیدر بھی عطا کر

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

قدر کی تعریف:

ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم سے مسئلہ قدر کی وضاحت کے بارے میں استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ قدر وہ تاریک راستہ ہے کہ جس پر چلنا ممکن نہیں اس شخص کے دوبارہ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ قدر بہت گہرا سمندر ہے اس میں غوطہ نہ لگاؤ کیونکہ تم مسئلہ قدر کا وجدان نہیں کر سکو گے اس شخص نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ قدر اللہ ربّ العزت کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اس کی تفتیش مت کرو مگر یہ شخص مصر رہا تو آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ اللہ جل جلالہ ہونے تم کو اپنی مرضی کے مطابق پیدا کیا ہے یا تمہاری مرضی کے مطابق اس شخص نے جواب دیا جس

طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا اس طرح پیدا کیا تو پھر آپ نے فرمایا جس طرح وہ چاہے گا استعمال بھی کرے گا یہی قدر ہے۔ (۱)

شاہ الاولیا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رنج والم بھی ایک مقام پر پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں اور جب کسی پر مصیبت پڑتی ہے تو اپنی انتہا کو ضرور پہنچ کر رہتی ہے۔ لہٰذا عامل کو چاہیے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اس کے دفعیے کی کوشش نہ کرے یہاں تک کہ اس کی مدت گذر جائے۔ ورنہ اختتام مدت سے پہلے دفعیہ کی تدابیر اپنے ساتھ اور مصیبتیں لے کر آتی ہیں۔

توکل علی اللہ:

ابو نعیم نے جعفر بن محمد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مقدمہ کے تصفیہ کی خاطر ایک دیوار کے نیچے بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا امیر المومنین دیوار گرنے والی ہے یہاں سے ہٹ جائیں۔ آپ نے فرمایا میری حفاظت کرنے والا میرا خدا ہے تم بے فکر رہو۔ فیصلہ سنا کر آپ اُٹھے تو دیوار گر پڑی۔ (۲)

---

(۱) تاریخ الخلفاء۔ (۲) تاریخ الخلفاء۔

باب نمبر ۵

حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کی کرامات

حیدرِ کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بے شمار کرامات ہیں جن میں سے چند قارئین کرام کی نظر کیے دیتے ہیں۔

۱ مُردوں سے کلام:

حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان کے سامنے کھڑے ہو کر باآوازِ بلند فرمایا کہ اے قبر والو۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ! کیا تم لوگ اپنی خبریں ہمیں سناؤ گے یا ہم تم لوگوں کو تمہاری خبریں سنائیں۔ اس کے جواب میں قبروں کے اندر سے آواز آئی۔ ''وعلیک السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ'' اے امیر المومنین آپ ہی ہمیں یہ سنایئے کہ ہماری موت کے بعد ہمارے گھروں میں کیا معاملات ہوئے؟ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے قبر والو! تمہارے وارثان نے تمہارے مال و دولت کو آپس میں تقسیم کر لیا اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہو کر دربدر پھر رہے ہیں اور تمہارے مضبوط اور اُونچے محلوں میں تمہارے دُشمن آرام وچین کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں۔ اِس کے جواب میں قبروں میں سے ایک مردہ کی دردناک آواز آئی کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! ہماری خبر یہ ہے کہ ہمارے کفن پُرانے ہو کر پھٹ چکے ہیں اور جو کچھ ہم نے دُنیا میں خرچ کیا تھا اِس کو ہم نے یہاں پا لیا ہے اور جو کچھ ہم دُنیا میں چھوڑ آئے تھے اِس

میں ہمیں گھاٹا اُٹھانا پڑا ہے۔ (۱)

﴿۲﴾ فالج زدہ اچھا ہو گیا:

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب طبقات (۲) میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے دونوں شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ حرم کعبہ میں حاضر تھے کہ درمیانی رات میں ناگہاں یہ سُنا کہ ایک شخص بہت ہی گڑگڑا کر اپنی حاجت کے لیے دُعا مانگ رہا ہے اور زار و زار رو رہا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اِس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ وہ شخص اِس حال میں حاضر خدمت ہوا کہ اِس کے بدن کی ایک کروٹ فالج زدہ تھی۔ آپ نے اِس قصہ دریافت فرمایا تو اِس نے عرض کی یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ میں دن رات گناہوں کی دُنیا میں منہمک رہتا تھا اور میرا باپ انتہائی نیک اور صالح مسلمان تھا بار بار مجھے ٹوکتا اور گناہوں سے منع کرتا ایک دن میں نے بار بار کی روک ٹوک اور پند و نصیحت سے تنگ آ کر اپنے باپ پر ہاتھ اُٹھایا میرا باپ میرے اس فعل سے انتہائی رنجیدہ خاطر ہوا اور حرم کعبہ میں میرے لیے بددُعا کرنے لگا ابھی اِس کی دُعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ اچانک میری ایک کروٹ پر فالج کا اثر ہو گیا اور میں زمین پر گھسٹ کر چلنے لگا۔ اس غیبی سزا سے مجھے بڑی عبرت حاصل ہوئی اور میں نے رو رو کر سچے دل کے ساتھ اپنے باپ سے معافی طلب کی اور میرے باپ نے شفقت پدری سے مجبور ہو کر مجھ پر رحم کھایا اور مجھے معاف کر دیا اور کہا بیٹا چل جہاں میں نے تیرے لیے بددُعا کی تھی اسی جگہ اب تیرے لیے صحت و سلامتی کی دُعا مانگوں۔ چنانچہ میں اپنے باپ کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ مکرمہ لا رہا تھا کہ راستے میں ناگہاں اونٹنی بدک کر بھاگنے لگی

(۱) حجۃ اللہ علی العالمین (جلد ۲)۔ (۲) حجۃ اللہ علی العالمین (جلد ۲)۔

اور میرا باپ اِس پر سے گر کر چٹانوں میں ہلاک ہوگیا۔ اب میں اکیلا ہی حرم کعبہ میں اپنی صحت و سلامتی کی دُعا مانگتا رہتا ہوں۔ جناب امیر علیہ السلام نے ساری سرگزشت سُن کر فرمایا کہ اے شخص! اگر واقعی تیرا باپ تجھ سے خوش ہوگیا تھا تو اطمینان رکھ کہ خُدا کریم بھی تجھ سے خوش ہوگیا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے اِس شخص کی حالت زار پر رحم کھا کر اس کو تسلی دی اور چند رکعت نماز پڑھ کر اِس کی تندرستی کے لیے دُعا مانگی پھر فرمایا اے شخص! اُٹھ کر کھڑا ہو جا! یہ سنتے ہی وہ اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور چلنے لگا آپ نے فرمایا کہ اے شخص! اگر تو نے قسم کھا کر یہ نہ کہا ہوتا کہ تیرا باپ تجھ سے خوش ہوگیا تھا تو میں ہرگز تیرے لیے دُعا نہ کرتا۔

۳ ادائیگی رقم جنابِ مرتضیٰ علیہ السلام کی جانب سے:

ابراہیم بن محرم سے روایت ہے کہ "کوفہ میں میرے ہمسایوں میں سے ایک ابو جعفر نامی شخص تھا جو کہ اچھی طبع کا آدمی تھا۔ جو کوئی بھی اُس کے پاس جاتا وہ اُس کی ہر طرح سے مدد کرتا۔ اگر کوئی چیز لیتا اور اُس کی قیمت ادا کرنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تب بھی وہ شخص (ابو جعفر) چیز دے دیتا اور اپنے ملازم سے کہتا کہ حساب میں لکھ لے کہ "اِس چیز کی قیمت جناب سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے وصول کر لی ہے۔" ابو جعفر کی اِس فراخدلی کے سبب تنگدستی اور پریشانی نے اِسے گھیر لیا۔ اِس حالت میں بھی اِس کی اچھی عادات برقرار رہیں یہ ادھار کی رقم واپس لینے کے لیے مقروضوں کے پاس ملازم کو بھیجتا اور اگر پتا چلتا کہ مقروض وفات پا چکا ہے تو اُس کا حساب بند کر دیتا اور اِس رقم کا مطالبہ اُس کے وارثان سے ہرگز نہ کرتا۔ ایک دن یہ اپنے

گھر کے دروازے پر بیٹھا تھا کہ ایک ناصبی (دشمن اہل بیت) نے طنزاً کہا کہ تم اِس حال میں پہنچ چکے ہو تمہارے سب سے بڑے مقروض (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے کیا کیا۔ ابو جعفر کو یہ سُن کر انتہائی دُکھ پہنچا۔

اسی رات اِس نے خواب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ سرورِ کونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے والد محترم (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں۔ اِسی اثناء میں جناب مرتضیٰ علیہ السلام عقب سے ظاہر ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں میں یہاں ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں کیا تم نے اِس شخص کو رقم ادا نہیں کی۔ شیر خدا حیدرِ کرار علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اِس شخص کو دینے کیلئے میں رقم ساتھ لایا ہوں۔ مولا مشکل کشا رقم کی تھیلی ابو جعفر کو تھماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ نیکی اور بھلائی ہمیشہ جاری رکھنا اور اب کبھی بدحالی یا تنگ دستی تمہارے قریب بھی نہ آئے گی۔

ابو جعفر کہتا ہے کہ جب میں اِس خواب سے بیدار ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی رقم کی تھیلی میں نے ہاتھ میں تھام رکھی ہے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا جلدی سے دیا جلاؤ۔ میں نے دیکھا کہ تھیلی میں ۱۰۰۰ اشرفیاں (سونے کی) موجود ہیں میری بیوی سمجھی شاید غربت و مفلسی کے ہاتھوں پریشان ہو کر میں نے کاروبار میں ہیرا پھیری کی ہے۔ میں نے اپنی زوجہ محترمہ کو سارا ماجرا سنایا۔ اس کے بعد جب میں نے کھاتہ کی تفصیل دیکھی اور اُن رقوم کو جمع کیا جن کے آگے لکھا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ادا کی تو یہ پورے ۱۰۰۰ (ایک

---

(۱) اِس شخص نے اِس لیے ایسا کہا کیونکہ ابو جعفر اُن لوگوں کے حساب میں جن کے پاس رقم کی ادائیگی کیلئے پیسے نہ ہوتے تھے لکھ لیتا تھا کہ رقم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وصول کی جا چکی ہے۔

ہزار) اشرفیاں کے برابر نکلی۔

(حوالہ جات: ''عرِ بائیں'' فضائلِ شاذان، تحفتا الاطہار)

﴿۴﴾ کٹا ہوا ہاتھ جُڑ گیا:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [1] کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک حبشی غلام جو کہ آپ کا بہت ہی مخلص محبّ تھا۔ شامتِ اعمال سے اِس نے ایک مرتبہ چوری کر لی لوگ اِس کو پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تو نے چوری کی ہے؟ تو اِس نے جرم کا اعتراف کرلیا۔ اِس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے بعد وہ غلام وہاں سے نکلا اور اپنے گھر روانہ ہوا تو راستے میں اِسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابن الکواء ملے۔ ابن الکواء نے اس سے پوچھا تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے؟ اِس نے جواب میں بڑے احترام سے آپ کا نام لیتے ہوئے کہا کہ میرا ہاتھ امیر المومنین، یعسوب المسلمین دامادِ رسول و زوج بتول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاٹا ہے۔ ابن الکواء نے فرمایا انہوں نے تیرا ہاتھ کاٹ دیا ہے اور تو ان کی مدح بیان کرتا ہے اور اِس قدر عزت و احترام سے اُن کا نام لیتا ہے۔ غلام نے جواب دیا میں اِن کی مدح کیوں نہ کروں انہوں نے میرا ہاتھ حق کی وجہ سے کاٹا ہے اور مجھے یہ سزا دے کر جہنم کے عذاب سے بچا لیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اِن دونوں کی گفتگو سُن رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اِس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے غلام کو طلب فرمایا اور اس کا کٹا ہوا ہاتھ کلائی کے ساتھ رکھا اور ایک رومال سے ڈھانپ دیا پھر کچھ پڑھنا شروع کیا اور دُعا مانگی اسی اثناء میں ایک غیبی آواز آئی جسے وہاں پر موجود لوگوں نے سُنا

[1] تفسیرِ کبیر (جلد پنجم)۔

کہ ہاتھ سے کپڑا ہٹا دو۔ لوگوں نے جب ہاتھ سے رومال ہٹایا تو ہاتھ بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ غلام کا کٹا ہوا ہاتھ اِس طرح کلائی کے ساتھ جڑ گیا تھا کہ کٹنے کا کوئی نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ بلاشبہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرامت اور پروردگارِ عالم کی رضا کی بدولت ہوا۔

نوٹ: جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی درج بالا کرامت کے حوالے سے دو باتیں اہم ہیں جو کہ بندہ ناچیز کے ذہن میں اُبھری ہیں۔ سوچا کہ قارئین کرام کو بھی اِس دعوتِ فکر میں شریک کر لیں۔ پہلی بات تو یہ کہ کچھ لوگ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ایک مجرم کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام نے انتہائی محبت کا معاملہ کیا کہ اُس کا ہاتھ جو سزا کے طور پر کاٹا تھا دوبارہ جوڑ دیا تو اِس کا تسلی بخش جواب عرض کیے دیتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے اُس غلام کا ہاتھ جرم یعنی چوری کرنے کی سزا کے طور پر کاٹا اور جب جوڑا ہے تو پیکر محبت کی حیثیت سے کیونکہ ولایت کی بہاریں آپ ہی سے جاری و ساری ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اِس واقعہ کے آغاز میں بیان ہے کہ وہ غلام آپ کا خاص اور محبّ تھا۔ بندہ کو اِس حوالے سے تھوڑی دشواری درپیش ہے کہ اُس وقت جب آپ حیات تھے اور آپ کی ہمراہی میں آپ کا خاص حب والا غلام شامت اعمال سے چوری کر بیٹھتا ہے سمجھ سے باہر ہے۔ آپ کی قرابت کا تو یہ اثر تھا کہ اگر کوئی چند لمحے ہی آپ کے ساتھ گذار لیتا تو روحانی دولت سے مالا مال ہو جاتا اور اُس کی زندگی بدل جاتی۔ اسی حوالہ سے ایک واقع ہے کہ آپ نے کسی جگہ جانے کا قصد کیا اور اِسی کی خاطر ایک قافلے میں شامل ہو گئے۔ اسی قافلے میں آپ کے ساتھ ایک یہودی بھی سفر کر رہا تھا آپ نے اِس سے گفتگو فرمائی وہ بھی آپ سے گفتگو کرنے لگا اور جب منزل پر پہنچے تو یہودی مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا اور آج

بھی لوگ جب آپ کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں تو زندگی کے نئے راستے کھلتے ہیں۔

نہج البلاغہ سے انتخاب:

زمانوں نے جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہ دیکھا ہو گا۔ آپ نے مختلف ادوار میں مسلمانوں کے اجتماعات سے خطاب کیا۔ کئی خطوط لکھے اور مختلف مواقع پر انتہائی پُر مغز اور گہرے مطالب سے سرشار اقوالِ زریں بھی بیان فرمائے۔ جو کہ رہتی دُنیا تک لوگوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام اپنے عہد کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے شخص مانے جاتے تھے۔ آپ کے خطبات، خطوط اور اقوالِ زریں کو جناب الشریف الرضی ذوالحسبین محمد بن الحسین ابن موسیٰ الموسوی اشیعی متوفی ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ء) نے انتہائی کاوش و تحقیق کے بعد جمع کر کے کتابی شکل میں نہج البلاغہ کے نام سے شائع کیا۔[1]

شریف الرضی، شریف المرتضیٰ ذوالمجدین علی بن الحسین بعلم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ھ (۱۰۴۴ء) کے چھوٹے بھائی تھے۔

جناب شریف الرضی کا اُمتِ مسلمہ اور دُنیا علم و ادب پر احسان ہے کہ انہوں نے مولا علی رضی اللہ عنہ کا کلام محنت و کاوش کے بعد اکٹھا کر کے کتابی شکل میں محفوظ کیا۔ جو کہ آج بھی مسلم اُمہ کے لیے راہنمائی کا ذریعہ ہے۔

نہج البلاغہ پر کچھ اعتراضات ہیں کہ یہ سارے کا سارا جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کلام نہیں بلکہ سید شریف رضی کی تحریر کا بھی کچھ حصہ شامل ہے۔ جیسا کہ ابن الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں خطبہ شقشقیہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے استاد ابو الخیر مصدق بن شبیہ الواسطی (متوفی ۶۰۵ھ) مطابق ۱۲۰۸ء نے

---

[1] نہج البلاغہ ترتیب سید رئیس احمد جعفری ۱۹۸۱ء۔

۶۰۳ھ (۱۲۰۶ء) میں مجھ سے بیان کیا تھا کہ میں نے اپنے استاد ابو محمد عبد اللہ بن احمد المعروف بن الخشاب (متوفی ۵۶۷ھ مطابق ۱۱۷۲ء) سے یہ خطبہ پڑھا تو اِن سے پوچھا تھا۔

''کیا آپ اسے جعلی کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بخدا ہرگز نہیں حقیقۃً میں تو اِسے امیر المومنین کا کلام بالکل اِسی طرح جانتا ہوں جس طرح تمہیں مصدق جانتا ہوں۔ میں نے کہا بہت سے لوگ اِسے رضی کا کلام بتاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا رضی وغیرہ کو یہ طریقہ اور طرز کہاں نصیب! ہم رضی کے خطوط سے واقف ہیں اور کلامِ نثر میں اِس کے اسلوب کو پہچانتے ہیں اِسے کلام سے کوئی علاقہ نہیں۔''

اِس کے باوجود بہت سے علمأء جن میں علامہ ذہبی اور ابن حجر العسقلانی شامل ہیں انہوں نے رائے ظاہر کی ہے کہ ''جن لوگوں کو قریش صحابہ کا طریقہ کتابت و گفتگو معلوم ہے اور وہ اِن کے بعد لوگوں کے اسلوب کو پہچانتا ہے وہ یقین کر لے گا کہ اِس کا بڑا حصہ باطل ہے۔''

غرضیکہ اِس کتاب کی حمایت کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے اور مخالفت کہ یہ سارے کا سارا امیر المومنین علیہ السلام کا کلام نہیں ہے۔ علماء و محققین کی طرف سے بہت سے دلائل دیے جاتے ہیں۔ جس کلام پر اکثر علماء اختلاف کرتے ہیں اُن میں سے وہ خطبات جو کہ جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہیں۔ ''اِن خطبات میں شامل طرزِ تحریر پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب جناب مرتضیٰ کے ان سے تعلقات اِس قدر اچھے تھے کہ شیخین نے شیر خدا رضی اللہ عنہ کے جناب سیّدہ خیر النساء بی بی فاطمۃ

الزہرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے موقع پر تمام انتظامات سنبھالے۔ اِس سلسلے میں جتنی بھی ضروری خرید وفروخت وہ ...... نے کی۔ پھر اِس کے باوجود کیسے ہوسکتا ہے کہ امیر علیہ السلام اِن حضرات کے بارے میں سخت الفاظ کا استعمال کریں۔ اِس لیے ایسے خطبات کے بارے میں اعتراض ہوتا ہے کہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کی بجائے الشریف الرضی کی کاوش ہے۔ (واللہ علم)

جیسا کہ باب کا عنوان ہے "نہج البلاغہ سے انتخاب" لٰہذا جناب امیر علیہ السلام کے نہج البلاغہ میں سے منتخب خطبات خطوط اور اقوال پیش خدمت ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لفظ اپنے اندر حکمت و ادراک کے سمندر لیے ہوئے ہے۔ خطبہ نمبر ا فصاحت و بلاغت اور نطق و کلام کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔ اِس میں (ا) خلقت ارض و سماء (۲) خلقت آدم کے حوالے سے جناب امیر علیہ السلام نے اِس طرح بیان فرمایا جیسے کہ کائنات کو آپ نے خود تخلیق ہوتے دیکھا۔

① خطبہ نمبر ۷:

منافقین کی ذہنیت

جناب امیر علیہ السلام نے اِس خطبہ میں منافقین کی نفسیاتی حالت کو بیان فرمایا ہے۔

> "اِن لوگوں نے (مطلب براری کیلئے) شیطان پر بھروسہ کیا اور اُسے اپنا کارساز بنا لیا۔ شیطان نے دوسری کی گمراہی کے لیے انہیں اپنا شریک و رفیق قرار دے لیا۔ پس اِس نے ان کے سینہ میں انڈے دیے اور اِن کی گود میں

(اِن انڈوں سے پیدا ہو کر) وسوسے رینگنے اور پروان چڑھنے لگے۔ ان میں اور شیطان میں اتنی یک جانی ہوگئی کہ وہ اِن کی آنکھ سے دیکھنے لگا۔ اِن کی زبان سے بولنے لگا۔ اِس نے انہیں ہر طرح سے آمادہ معاصی کر دیا اور کارِ بد کو اِن کے لیے زیب و زینت بنا دیا۔ یہ وہی حرکتیں کرنے لگے۔ جیسے وہ شخص جسے شیطان نے اپنے امور میں شریک کرلیا ہو اور جس کی زبان سے وہ باطل کا پرچار کر رہا ہو۔"

② خطبہ نمبر ۹:

گفتار و کردار

"یہ لوگ (بادل کی طرح) گرجے اور (بجلی کی طرح) چمکے لیکن گرجنے اور چمکنے کے باوجود وقت کارزار، ناتواں و ترساں نظر آئے اور ہم جب تک لڑ نہیں لیتے نعرہ زنی نہیں کرتے اور جب تک برسائے نہیں جاتے بہتے نہیں۔" ①

③ خطبہ نمبر ۱۰:

مومن کی بصیرت

"لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنا جتھا، سواروں اور

① جناب مرتضیٰ کے خطبہ کا مقصد قول و فعل کے فرق کو بتانا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خطبہ میں واضح کیا ہے کہ انسان عمل پیہم ہی سے صاحب فروغ بنتا ہے اور کئی ایسے ہوتے ہیں جو گفتار بلند و بانگ دعوؤں اور تقریروں کے تو سورما ہوتے ہیں۔ مگر میدان عمل میں کمزور دکھائی دیتے ہیں۔

پیاروں کا لشکر تیار کر لیا۔ میرا رفیق تو میری بصیرت ہے۔
میں نے حق کو (جہل و نادانی کا) لباس بنا کر نہیں پہنایا۔
نہ وہ لباس باطل میں ملبوس ہو کر مجھ پر اثر انداز ہوا اور خدا
کی قسم میں ایک ایسا حوض بھر کر چھلکاؤں گا کہ میں خود ہی
اس کا الجھے والا ہوں گا، کہ یہ اہلِ باطل، نہ اِس سے نکل
سکیں گے نہ اِس کی طرف پلٹ سکیں گے۔"

④ خطبہ نمبر ۱۶:

اصلاحِ نفس

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ دراصل "بیعت خلافت کے بعد" کے خطبے کا اصلاحی حصہ ہے۔

"جس کے سامنے جنت و دوزخ[1] ہوں۔ وہ کسی اور طرف مشغول نہیں ہوسکتا۔ اِس طرح کے لوگ تین گروہوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ اوّل جلد بازی کے ساتھ سعی و کوشش کرنے والا دوسرا طالبِ حق جو کاہل ہے۔ یہ (رحمت الٰہی کا) اُمیدوار ہوسکتا ہے اور تیسرا کوتاہی کرنے والا۔ یہ آتش و عذابِ الٰہی میں سرنگوں ہوا۔ راستے کے دائیں بائیں گمراہی ہے۔ راہ راست راہ درمیان نہیں ہے۔ اسی راستہ پر کتابِ الٰہی (قرآن کریم) اور آثارِ نبوت (سنتِ

[1] مطلب یہ کہ جو اِس حقیقت سے آشنا ہو کہ کون سے اعمال جنت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کون سے دوزخ کی طرف وہ غلط راستہ پر نہیں پڑ سکتا۔

رسول ﷺ) شاہد ہیں۔ یہی راہ راست سنت رسول ﷺ کا مقصد ہے اور اِسی کی جانب آخرکار لوٹنا ہے۔ جس نے یہ راستہ چھوڑ کر کسی اور راستہ کا ارادہ کیا وہ ہلاک ہوا اور جس نے دروغ گوئی کی۔ وہ زیاں کار بنا جس کسی نے حق سے مقابلہ کیا وہ برباد ہوا۔ آدمی کی جہالت کے لیے یہی بہت ہے کہ وہ خدا کی قدر نہ پہچانے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کی جڑ کبھی برباد نہیں ہوتی اور نہ کسی قوم کی کھیتی بے آب رہ سکتی ہے۔ پس اپنے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہو، اپنی اپنی اصلاح کے فرائض انجام دیتے رہو، توبہ تمہارے پیچھے ہے۔ خدا کے سوا کسی کی حمد نہ کرو اور اپنے نفس کے سوا کسی کی برائی نہ کرو۔"

⑤ خطبہ نمبر ۱۷:

جہل اور جہل مُرکب!

جناب مرتضیٰ علیہ السلام کا یہ خطبہ اُس شخص سے متعلق ہے جو کچھ نہیں جانتا مگر اپنے تئیں سب سے بڑا عالم سمجھتا ہے۔

"خُدا کے نزدیک دشمن ترین مخلوق دو شخص ہیں۔ (۱) ایک وہ شخص کہ خُدا نے اِسے اِس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ وہ میانہ روی سے آگے نکل گیا ہے۔ بدعت میں مشغول اور دعوتِ گمراہی کا دل دادہ بن گیا ہے۔ تو یہ اُس

(۱) یہ وہ لوگ ہیں جو ہرگز رحمتِ حق سے بہرہ ور نہ ہوسکیں گے۔

شخص کے لیے سبب فتنہ و فساد ہے جو اس کے واسطہ سے فتنوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اپنے افلاس کی راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے۔ جب تک زندہ رہا اور مرنے کے بعد بھی اپنے ماننے والوں اور پیروؤں کیلئے گمراہ کنندہ ہے۔ غیروں کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر لادتا ہے۔ حالانکہ خود اپنے گناہوں میں رہن ہے .... دوسرا وہ کہ جس نے اپنے تئیں نادانیوں اور جہالتوں کو جمع کر لیا ہے اور جہال اُمت میں (نادانیوں اور جہالتوں کی توسیع و اشاعت کیلئے) سرگرداں ہے اور فتنہ و فساد کی تاریکیوں میں رواں دواں ہے۔ موقع اصلاح سے انجان ہے۔ عوام نے اِسے دانا و بینا سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ (سرتاپا) نادان و جاہل ہے .... اِس گروہ کی میں خُدا سے شکایت کرتا ہوں۔ جس کی زندگی جہل و نادانی میں گذری اور ضلالت و گمراہی کے عالم میں جسے موت آئی .... اور اِن کے نزدیک اچھی چیز سے زیادہ کوئی چیز بُری نہیں اور بُری چیز سے زیادہ اچھی نہیں۔"

⑥ خطبہ نمبر ۲۰:

موت کے بعد

جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم شیر خدا نے اِس خطبہ میں بتایا ہے کہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو بعد از مرگ کن حالات سے سابقہ پڑے گا۔

"(اے لوگو)! اگر تم وہ چیز دیکھ لیتے جو تم میں سے وہ لوگ دیکھ چکے ہیں جو مر چکے ہیں تو بلاشبہ تم کانپ جاتے، خوف زدہ ہو جاتے، (پھر تم کلمۂ) حق سنتے بھی (اور اس کی پیروی بھی) کرتے۔ لیکن جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں (۱) تمہاری نگاہ سے محجوب ہے۔ لیکن پردہ اُٹھا ہی چاہتا ہے اگر تم دیکھنا چاہتے تو وہ کون سی چیز تھی، تمہیں دکھائی نہیں گئی۔ اگر تم سننا چاہتے تو ہر چیز سنا دی گئی تھی۔ ہدایت حاصل کرنا چاہتے تو راہِ ہدایت بھی دکھا دی گئی تھی۔ (۲) (لوگو) میں تم سے کہتا ہوں کہ عبرتیں اور نصیحتیں تم پر کھولی جا چکی ہیں۔ قابل احتراز چیزوں سے تمہیں روکا بھی جا چکا ہے (۳) اور ہاں تبلیغ! تو (یاد رکھو) آسمانی رسولوں کے بعد (۴) فریضۂ تبلیغ اب جس پر عائد ہوتا ہے، وہ بشر ہی ہے۔" (۵)

⑦ خطبہ نمبر ۲۱:

موت اور قیامت

جناب امیر علیہ السلام کے ایک خطبے کے یہ چند الفاظ ہیں مگر کس قدر جامع

---

(۱) موت کے بعد جو حالات مرنے والے دیکھ رہے ہیں۔

(۲) ہر بات بتا دی گئی ہے۔ اچھائی بھی برائی بھی، نور بھی اور تاریکی بھی لیکن تم نے توجہ نہ کی۔

(۳) حلال حرام، سیاہ و سفید ہر چیز تمہارے علم میں لائی جا چکی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جا چکا ہے پھر بھی نہ مانو تو یہ تمہاری بدقسمتی۔

(۴) رسولانِ آسمان سے مراد ملائکہ ہیں۔

(۵) اب رسول کے خلیفہ ہی تبلیغ و تلقین کے فرائض انجام دیں گے۔

اور مانع کس قدر آثر افریں اور سبق آموز!

''(لوگو)! منزل (غایت[1]) تمہارے سامنے ہے اور قیامت تمہارے پیچھے ہے اور وہ تمہیں ہنکار رہی ہے۔[2] سبک بار بن کر یاران تیز گام سے جا ملو۔[3] تمہارے اوّل کے لیے تمہاری آخر کا انتظار کیا جا رہا ہے۔''[4]

⑧ خطبہ نمبر۲۴:

بدکردار سے برأت

''اپنی جان کی قسم! جو لوگ حق کی مخالفت کرتے اور گمراہی میں مبتلا ہیں اِن کے ساتھ جنگ میں کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھ سکتا۔ اے بندگانِ خُدا! خدا سے ڈرو اور اِس کے غضب سے بھاگ کر اِس کے دامنِ رحمت میں پناہ لو۔ اس راستہ پر چلو جو اِس نے تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے جو احکام تم پر لازم کر دیے گئے ہیں ان کی (پوری پوری) پیروی کرو۔ پھر اگر تم فوراً کامیاب نہ ہوئے تو پھر علی علیہ السلام مستقبل میں تمہاری کامیابی کا ضامن ہے۔''

---

[1] تم پر واجب ہے کہ تم غایت یعنی منزل کی تیاری کرو۔

[2] یعنی یہ سمجھ لو کہ قیامت اور موت تمہارے تعاقب میں ہے۔ جس وقت بھی تم اِس کی گرفت میں آ جاؤ پس ضروری ہے کہ اِس کی تیاریوں میں منہمک ہو جاؤ۔

[3] شہوات ولذت کا بوجھ جتنا ہلکا ہوگا منزل آخرت کی رہروی اتنی ہی آسان ہوگی۔

[4] جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے۔ وہ تمہارے منتظم ہیں۔ جب تم بھی پہنچ جاؤ گے تو یہ قافلہ منزلِ حشر کی جانب روانہ ہوگا۔

نوٹ: آخری جملہ کیا خوب ہے۔ یہ الفاظ وہی ادا کر سکتا ہے جو کاملیت کی انتہا ہو۔ کیا خوبصورت انداز ہے مولا علی کا شفاعت کرنے کا۔

⑨ خطبہ نمبر ۲۳:

مال و دولت میں دوسروں کا حصہ

جناب مرتضیٰ علیہ السلام کے اس خطبہ کا آخری حصہ پیش خدمت ہے۔

''خبردار! تم میں سے کوئی شخص اپنے عزیز و اقارب کو فقر و پریشانی میں مبتلا دیکھے تو (کم از کم) اتنا مال خرچ کر کے انہیں بچانے سے باز نہ رہے کہ اگر وہ اِسے صرف نہ کرے تو اِس کی دولت میں اضافہ نہ ہوگا اور اگر صرف کر ڈالے تو کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ وہ شخص جو لوگوں کی مدد کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اُسے (یہ نہ بھولنا چاہیے کہ) اس کا ایک ہاتھ رُکتا ہے اور ان کے عزیزوں کے بہت سے ہاتھ رُک جاتے ہیں .... اور جو کوئی اپنے لوگوں سے متواضع اور مہربان ہو کر ملتا ہے۔ وہ اِن کی دائمی اور پائندہ تر دوستی کا حامل بن جاتا ہے۔''

⑩ خطبہ نمبر ۶۱:

موت کا وقت

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھوکہ سے شہید کرنے سے ڈرایا گیا تو آپ نے فرمایا! ''میرے جسم پر خُدا کی مضبوط سپر موجود ہے جب میری موت کا دن

آئے گا تو یہ سپر مجھ سے جُدا ہو جائے گی اور مجھے اِس کے سپرد کر دے گی پھر نہ تو تیر ہی خطا کرے گا اور نہ ہی زخم مندمل ہو گا۔''

⑪ خطبہ نمبر ۹۳:

خُدا

''وہ ہر چیز سے بلند و برتر ہے کہ بلند ہمتیں اِس کو سمجھ نہیں سکتیں اور ذہانتوں کی دور رسی اُسے پا نہیں سکتی وہ ایسا اوّل ہے کہ اِس کے لیے کوئی پایاں نہیں کہ وہ انتہا کو پہنچے نہ آخر ہے کہ وہاں ختم ہو جائے۔''

(ب) خطوط

جناب امیر علیہ السلام کے چند خطوط ''نہج البلاغہ'' سے قارئین کرام کی نظر ہیں۔ اِن خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نظامِ حکومت کو انصاف اور اسلامی قواعد کے مطابق چلانے میں کس قدر سخت تھے۔ مغربی مفکرین نے بھی جناب امیر المومنین علیہ السلام کی بحیثیت ایک بہترین حکومتی سربراہ کے تعریف کی ہے۔ اقوام متحدہ نے جناب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اُس خط کو سراہا ہے جس میں جناب امیر علیہ السلام نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بناتے وقت ہدایات دی ہیں۔ UNO کا کہنا ہے کہ اسلامی ممالک کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے طرز حکومت اور اعمال کی نگرانی کے طریقہ کو اپنانا چاہیے۔

اشعث بن قیس کے نام

اشعث بن قیس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے آذر بائیجان کے

حاکم تھے یہ خط انہی کے نام ہے۔

''تمہارا یہ عہدہ کوئی خوانِ نعمت نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے گلے میں امانت ہے اور تم بالادست حاکم کے سامنے جواب دہ ہو۔ تمہارے ہاتھ میں جو مال ہے۔ خدا کا ہے تم اُس کے خزانچی ہو یہاں تک کہ اُسے میرے پاس پہنچا دو۔ اُمید ہے میں تمہارے حق میں بُرا افسر ثابت نہ ہوں گا۔''

ایک عہدیدار کے نام

اِس عہدیدار کی شکایت موصول ہونے کے بعد۔

''تمہارے علاقے کے زمینداروں نے تمہاری سختی، سنگ دلی تحقیر بے پرواہی کی شکایت کی ہے۔ میں نے انہیں منہ نہیں لگایا کہ مشرک ہیں۔ مگر اِن سے بے پرواہی برتنا بھی ٹھیک نہ تھا کہ ہم میں اور اِن میں معاہدہ موجود ہے۔ تو تم ایسا کرو کہ ان کے لیے نرمی کا لباس پہن لو۔ جس کے کناروں پر سختی کی گوٹ ہو۔ نرمی اور سختی کے بین بین سلوک کرو نہ ایسا ہو کہ بالکل دور ہو جائیں نہ ایسا ہو کہ بالکل قریب آ جائیں۔ ایک درمیانی برتاؤ ان سے کرتے رہو۔''

زیاد بن ابیہ کے نام ایک خط

جناب امیر علیہ السلام نے اس خط میں امانت داری کی تاکید فرمائی ہے۔

''قسم کھاتا ہوں ...... سچی قسم کہ مسلمانوں کے حال میں تیری ذرا سی خیانت بھی سُن لوں گا تو ایسی سختی سے پیش

آؤں گا کہ تو بے سروسامان ہو کر رہ جائے گا۔ تیری پیٹھ بوجھل ہو جائے گی اور تو کہیں کا بھی نہ رہے گا۔"

عبداللہ بن عباس کے نام ایک مکتوب

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ مجھے جو فائدہ اِس کلام سے حاصل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور کلام سے حاصل نہیں ہوا۔ (۱)

"آدمی کبھی وہ چیز پا کے خوش ہو جاتا ہے۔ جس سے محروم ہونے والا نہیں اور کبھی ایسی چیز کی محرومی اُسے مغموم کر دیتی ہے جو حاصل ہونے والی نہیں ہوتی لہٰذا تمہاری کامیابی اِسی خوشی پر ہو جو آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور تمہارا افسوس بھی آخرت ہی کی کسی چیز سے محرومی پر ہو۔ دُنیا کی کامیابی پر تمہاری خوشی زیادہ نہ ہونے پائے اور دُنیا کی کسی چیز کی محرومی بھی تمہیں غمگین نہ کرے۔ تمہاری پوری فکر موت کے بعد کے لیے ہونی چاہیے۔" (۲)

ایک عہدیدار کے نام خط

حساب پیش کرو!

"مجھے ایک خبر ملی ہے، اگر سچی ہے تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کر لیا ہے، اپنے امام کی نافرمانی کی ہے، اپنی امانت گنوا دی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ تم نے ملک اُجاڑ دیا ہے۔

---

(۱) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اِس کلام سے فائدہ حاصل ہوا۔

(۲) یہ پورا خط مع تعارفی عبارت، عقد الفرید ج ۱ ص ۲۹۸ طبع مصر ۱۳۲۱ھ پر موجود ہے۔

جو کچھ تمہارے پاؤں کے نیچے تھا اُسے ہتھیا لیا ہے اور جو کچھ تمہارے ہاتھ میں تھا اُسے ہڑپ کر گئے ہو۔ لہٰذا اپنا حساب میرے پاس بھیجو اور یقین کرو، خُدا کا حساب آدمیوں کے حساب سے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔"

عثمان بن حنیف انصاری گورنر بصرہ کے نام

جناب امیر المومنین نے گورنر بصرہ کو کسی امیر کبیر شخص کی دعوت میں شرکت کے حوالے سے یہ خط لکھا۔ یہ خط خصوصی توجہ کا حامل ہے اور اِس میں واضح طور پر جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرما دیا ہے کہ حکومتی افسر کا کیا طرزِ عمل ہونا چاہیے۔

"اما بعد! ابن حنیف، مجھے معلوم ہوا ہے کہ بصرہ کے ایک بے فکرے نے تمہیں دعوت دی اور تم دوڑ پڑے قسم قسم کے کھانے تھے۔ تم مزا لے کے کھاتے تھے اور تمہارے آگے قابوں پر قابیں بڑھائی جاتی تھیں۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرو گے۔ جن کے دروازے پر محتاج دھتکارے جاتے ہیں اور جن کے دستر خوان پر صرف مالدار بلائے جاتے ہیں۔ اب سوچو اِس دعوت میں تم نے کیا کھایا ہے۔ جس کھانے کی حلت مشتبہ ہو اُسے قے کر کے نکال ڈالو اور جس کی حلت کا اطمینان ہو تو خیر کوئی مضائقہ نہیں۔

بات یہ ہے کہ ایک امام ہوتا ہے لوگ اِس کی پیروی کرتے

اور اِس کے نورِ علم سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ تمہارے
امام کیلئے اِس دُنیا کے سازوسامان میں پہننے کی دو گدڑیاں
اور کھانے میں دو روٹیاں بہت ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ
تم سب ایسا نہیں کر سکتے۔ البتہ اپنی پرہیزگاری، ریاضت،
عفت، نیکی سے میری مدد کر سکتے ہو ....

یہ میرا نفس ہے جسے تقویٰ الٰہی کے ذریعہ مغلوب کر رہا
ہوں۔ تا کہ خوفِ اکبر کے دن امن میں رہے ....

حرص اچھے کھانوں پر مجھے رجھا نہیں سکتی۔ جب کہ حجاز میں
یا یمامہ میں شاید کوئی ایسا ہو۔ جسے ایک روٹی کی بھی اُمید
نہیں۔ جس نے کبھی شکم سیری جانی ہی نہیں۔ کیا یہ ہو سکتا
ہے کہ میں شکم سیر ہوں اور میرے گرد بھوکے پیٹ اور
پیاسے جگر بلبلا رہے ہوں ....

کیا اِس پر خوش ہو جاؤں کہ مجھے امیر المومنین کہا جاتا ہے۔
مگر مومنوں کی مصیبتوں میں اِن کا شریک حال نہ ہوں
روکھی سوکھی زندگی میں اِن کے لیے نمونہ نہ بنوں؟

اے دُنیا دور ہو مجھ سے جہاں جانا ہو چلی جا! میں تیرے
چنگل سے نکل چکا ہوں۔ تیرے جال سے چھوٹ چکا ہوں۔
تیری بچھائی ٹھوکروں سے اپنے پاؤں بچا چکا ہوں ....

.... دُور ہو جا، مجھ سے اے دُنیا! بخدا میں
تیرے آگے نہیں جھکوں گا تو مجھے ذلیل کرے تیرے لیے
اپنی رسّی ڈھیلی نہیں کروں گا کہ مجھے ہانک لے چلے اور قسم

کھاتا ہوں خُدا کی ایسی قسم جس میں مشیت الٰہی کے سوا کوئی استثناء نہیں کہ اپنے نفس کو ایسا ہلکان کروں گا کہ ایک روٹی پر بھی خوش ہو جائے۔ اگر اِسکے ساتھ نمک مل جائے اور اپنی آنکھوں کو ایسا چشمہ بنا دونگا۔ جس کا سوت سوکھ چکا ہو۔ میری آنکھیں بھی آنسوؤں سے سوکھ جائیں گی۔ اُونٹ اور مویشی اپنے چارے دانے کے بعد اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں تو کیا علی بھی اتنا کھا لیا کرے کہ آسودہ ہو جائے! آنکھیں پتھرا جائیں علی کی اور عمر بھر کی ریاضت کے بعد اُونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی ریس کرنے لگے۔ مبارک ہے وہ جس نے اپنے ربّ کا فرض پورا کر دیا مصیبتوں پر صبر کر لیا۔ راتوں کو نیند سے کُنارہ کیا اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو زمین کو فرش بنایا۔ ہاتھ کو تکیہ ٹھہرایا اور اِن لوگوں کے ساتھ پڑا رہا جن کی آنکھیں خوفِ قیامت کی وجہ سے جاگتیں رہتی ہیں .... تو اے ابن حنیف خُدا سے ڈر۔ تیرے لیے دو روٹیاں کافی ہوں تاکہ دوزخ سے تیرے لیے مخلصی کا پروانہ بن جائیں۔

جناب امیر علیہ السلام کی مالک اشتر کو مصر کا گورنر نامزد کرتے ہوئے ہدایات ایک بیش قیمت تحریر ہے جس کا اعتراف دُنیا کے ساتھ ساتھ UNO نے بھی کیا ہے اور اسلامی ممالک سے کہا ہے کہ جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس تحریر کو اپنی حکومتوں کا زریں اصول بنائیں۔ جناب امیر

علیہ السلام کا یہ مکتوب خاصا فصیح و بلیغ اور لمبا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ ''نہج البلاغہ'' سے اِس مکتوب کو لازمی پڑھ لیں۔ ''نہج البلاغہ'' میں مکتوب و رقعات کے حصہ دوم میں ۵۳ نمبر پر ہے۔''

اقوالِ زریں

نہج البلاغہ سے انتخاب کا یہ حصہ اقوالِ حکمت، مواعظ، جوابات اور مختصر کلمات پر مشتمل ہے۔ جناب امیر علیہ السلام کے بے شمار کلمات زبان زد عام ہیں ان میں سے چند قارئین کی نظر کیے دیتے ہیں۔

① فتنے کی حالت میں جناب مرتضیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔

"ابن لبون [1] کی طرح رہو کہ نہ پیٹھ سواری کے قابل نہ تھن دوھنے کے لائق (جدھر چاہے جائے آزاد و خودمختار ہوتا ہے۔")

② **کنجوسی اور بزدلی:** کنجوسی رسوائی ہے اور بزدلی کمی ہے۔ تنگدستی سمجھ دار آدمی کو اپنی حجت کے وقت گونگا بنا دیتی ہے۔ غریب اپنے وطن میں بھی بے وطن ہے۔

③ **جاذبیت کے ذرائع:** عقل مند کا سینہ اِس کے رازوں کا صندوق ہے اور چہرے کی شگفتگی محبت کا جال ہے۔ (ہنس کر ملو، آدمی خواہ مخواہ مانوس ہوگا)۔

④ جو اپنے آپ کو سب کچھ سمجھے اِس سے بگڑنے والے بہت ہوتے ہیں اور صدقہ نجات بخش دوا ہے اور لوگوں کے دُنیاوی اعمال آخرت میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔

---

[1] دو سال کا اُونٹ۔

۵ جب کسی پر دُنیا جھکتی ہے تو دوسروں کی نیکیاں بھی اِسے دے دیتی ہے اور جب منہ پھیرتی (زوال) ہے تو خود اِس کی نیکیاں بھی چھین لیتی ہے۔

۶ سب سے زیادہ مجبور و لاچار وہ شخص ہے جو دوستوں کو فراہم نہ کر سکے۔ اِس سے زیادہ مجبور وہ ہے جو دوست پانے کے بعد چھوڑ دے۔

۷ جب تم پر نعمتوں کا آغاز ہو جائے تو ناشکری کر کے انتہائی اور آخری نعمتوں کو آنے سے مت روکو۔

۸ **زہد:** بہترین زہد زہد کو چھپانا ہے۔

۹ **پردہ پوشی:** (خدا سے) ڈرو! خدا کی قسم اِس نے گناہوں کو یہاں تک چھپایا کہ گویا بخش دیا۔

۱۰ جس کا کسب سست ہو اُسے اُس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔[۱]

۱۱ **ہمت کرو:** بیماری میں جہاں تک چل سکو چلو۔

۱۲ **دولت مندی:** سب سے بڑی دولت مندی یہ ہے کہ اُمیدیں چھوٹ جائیں۔

۱۳ عقل مند کی زبان اِس کے دل کے پیچھے اور احمق کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔

۱۴ جو غلطی بارگاہِ خداوندی میں تمہیں تکلیف دے وہ اِس اچھے عمل سے بہتر ہے۔ جو تمہیں خود پسند کر دے۔

---

[۱] جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اُن لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ جن کا خیال ہے کہ عزت و مرتبہ والے خاندان کی وجہ سے روز آخرت بخشے جائیں گے۔ اس قول میں امام المتقین نے واضح کر دیا کہ نیک اعمال ہی آدمی کے مرتبہ میں اضافہ کا باعث بن سکتے ہیں نہ کہ نسب۔

⑮ سخاوت یہ ہے کہ مانگنے سے پہلے عطا ہو۔ لیکن جو سوال کے بعد ہے وہ شرم کا تحفظ اور مذمت سے بچاؤ ہے۔

⑯ جب عقل پختہ ہوتی ہے تو آدمی کی گفتگو کم ہو جاتی ہے۔

⑰ انسان کا ہر نفس موت کی طرف ایک قدم ہے۔

⑱ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی شخص استغفار کے ہوتے ہوئے مایوس نظر آتا ہے۔

⑲ **اصلاح:** جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان حالات کی اصلاح کر لے خدا اِسکے اور لوگوں کے تعلقات درست کر دے گا اور جو آخرت کے معاملات ٹھیک کر لے خدا اُس کے معاملات دُنیا میں ٹھیک کر دے گا اور جس کا نفس اِس کا نصیحت گر ہو اُس کا خدا نگران ہوتا ہے۔

⑳ **اچھے بُرے خیالات:** جب دُنیا اور دُنیا والوں کے حالات ٹھیک ہوں (امن و امان ہو) تو ایسے وقت اگر کو شخص کسی ایسے شخص کے لیے بُرا خیال کرے جس سے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔ تو یہ آدمی ظلم کرتا ہے اور جب زمانہ پُر آشوب ہو اور لوگوں کی حالت خراب ہو اِس وقت اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں اچھا خیال کرے تو دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔

㉑ **امتحان:** بہت لوگ وہ ہیں جو احسان اور نعمتوں کی وجہ سے جہنم کے قریب ہو رہے ہیں اور بہت لوگ ایسے ہیں۔ جو گناہوں کے پوشیدہ رہنے سے جری ہو گئے ہیں اور بہت سے آدمی ہیں جو نیک نامی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہیں۔ خُدا نے اِس شخص کی طرح دُنیا میں مہلت دے کر کسی اور کو نہیں آزمایا۔

۴۲ ایسے دو عملوں میں کتنا فرق ہے ایک وہ عمل جس کی لذت ختم اور بھگتان باقی رہے گا اور وہ عمل جس کی زحمت فنا اور ثواب باقی رہے گا۔

۴۳ دُنیا امام المتقین جناب علی المرتضٰی علیہ السلام کی نظر میں۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری یہ دُنیا تو میرے نزدیک کوڑھی کے ہاتھ میں سُور کی بے گوشت ہڈی سے زیادہ قابلِ نفرت ہے۔

۴۴ **عبادت کا معیار:** جو لوگ خُدا کی عبادت شوق میں کرتے ہیں تو اِن کی عبادات تاجرانہ ہیں۔ جو ڈر کے عبادت بجا لاتے ہیں۔ ان کی عبادت غلامانہ ہے اور جو لوگ شکر نعمت کے طور پر عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت آزادوں کی سے ہے۔

۴۵ **مقدر:** اسے یقینی بات سمجھو کہ خدا نے کسی بندے کو چاہے اُس کی تدبیر کتنی ہی اہم اور مطالبہ کتنا ہی سخت اور چالاکی کیسی ہی مضبوط ہو۔ ذکر حکیم (لوحِ محفوظ) میں معین شدہ حصے سے زیادہ نہیں دیتا اور کسی کی کمزوری اور بے چارگی اور تقدیر کی معین شدہ بات میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ اِس راز کو جاننے اور اِس پر عمل کرنے والا بڑی راحت و آسائش میں ہے اور نکتے کو چھوڑنے اور اِس میں شک کرنے والا، وہ سب سے زیادہ مضرت میں مشغول ہے۔ (پریشانی کے لیے تیار ہے)۔ بہت سے دولت اور قسمت والے ہیں جو آہستہ آہستہ عذاب کی طرف بڑھ رہے ہیں اور بہت سے احسانوں میں گھرے ہوئے بلاؤں میں گرفتار ہیں تو اے سننے والے شکر میں زیادتی کر اور جلد بازی میں سستی کر دے اور رزق و دولت کی انتہا پر

(جو تیرے ہاتھ میں آ چکی ہو) رُک جا لالچ نہ کر۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیان کردہ ضرب المثل پُر حکمت بیان پُر مغز جوابات بہت زیادہ ہیں۔ جن میں سے ۴۷۶ کے قریب نہج البلاغہ میں دستیاب ہیں اور جناب مرتضیٰ علیہ السلام کے یہ اقوالِ زریں اتنے پُر حکمت اور دانائی کے عروج پر ہیں کہ قاری خاص دلچسپی سے اِن کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ بات بھی لازمی ہے کہ جو کوئی بھی اِن کو محبت سے پڑھتا ہے تو کم از کم اِن سے کچھ نہ کچھ اثر لیتے ہوئے اپنی زندگی میں بھی اِس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں امام المتقین کے تمام اقوال کو بیان کرنا کتاب کی طوالت کے سبب مشکل ہے۔ جناب امیر علیہ السلام کے حفظان صحت کے اُصولوں کے حوالے سے بھی انتہائی بیش قیمت کلمات ہیں جو پھر کسی کتاب میں درج کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

جناب مرتضیٰ علیہ السلام کی حکمت و تدبیر سے بھری چند نصیحتیں امام جلال الدین سیوطی کی کتاب تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے قارئین کی نظر کیے دیتے ہیں۔

اتحاد:

ابن عساکر نے ربیعہ بن ناجد کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا لوگو! تم شہد کی مکھیوں کی طرح بن جاؤ اگرچہ دوسرے پرندے اِن شہد کی مکھیوں کو حقیر جانتے ہیں۔ لیکن اگر اِنکو معلوم ہو جائے کہ اِنکے پیٹ میں بڑی برکت والی چیز پنہاں کر دی گئی ہے تو انہیں کبھی حقیر نہ جانتے اِسلئے تم (لوگو) اپنی زبان اور جسم میں اتحاد پیدا کرو اور اعمال اور دلوں میں مفارقت روا

نہ رکھو کیونکہ قیامت کے دن انسان کو اِسی چیز کا بدلہ ملے گا جو اِس نے کیا ہے اور وہ اِسی چیز کے ساتھ محشور ہو گا جس سے اِس کو دُنیا میں محبت تھی۔

عمل صالح کی ترغیب:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ کام کرو جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو۔ عمل صالح کرنے میں زیادہ سے زیادہ سعی کرو کیونکہ عمل صالح بغیر تقویٰ کے قبول نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس عمل میں خلوص نہ ہو وہ کیسے قبول ہو سکتا ہے۔

قرآن پر عمل ضروری ہے:

یحییٰ بن جعدہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خُدا نے فرمایا۔ اے حاملین قرآن! قرآن پر عمل بھی کرو اس لیے کہ عالم وہی شخص ہے جو علم پر عمل بھی کرے اور اپنے عمل کو علم کے مطابق بنائے۔ وہ وقت قریب ہے کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو علم تو حاصل کریں گے۔ لیکن اِن کا علم اِن کے حلقوم سے نیچے نہیں اُترے گا اور اُن کا باطن اُن کے ظاہر کے مخالف ہو گا۔ وہ حلقہ باندھ کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کریں گے اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ ایک شخص اپنے پاس بیٹھنے والے پر محض برابر بیٹھ جانے پر غصہ ہو گا اور کہے گا کہ وہ اِس کے برابر سے اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھے۔ ان کے اعمال ان کی مجلسوں سے خُدا تک نہیں پہنچیں گے۔

معصیت کی سزا:

معصیت کی سزا یہ ہے کہ عبادت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ معیشت

میں تنگی اور لذت و حظ میں کمی آ جاتی ہے۔ حلال کی خواہش اُس شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کی کمائی چھوڑ دینے کی مکمل اور بھرپور کوشش کرتا ہے۔

جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شاعری

شبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم دونوں حضرات شاعر تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی شعر کہا کرتے تھے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اِن تینوں سے اچھے اشعار کہا کرتے تھے۔

نبیط الاشجعی نے آپ کے اشعار پیش کیے۔ (۱)

جب دلوں کو مایوسی گھیر لیتی ہے
اور کشادہ سینہ اِس کی وجہ سے تنگ ہو جاتا ہے
اور مصیبتیں (وطن) بنا کر مطمئن ہو جاتی ہیں
اور اِن (سینوں) میں تکلیفیں لنگر انداز ہو جاتی ہیں
اور اِس تکلیف کے دُور ہونے کی صورت نظر نہیں آتی
دانش مند اپنی تدبیر سے کچھ بھی دفعیہ نہ کر سکا
اِس نا اُمیدی کے وقت تمہارے پاس ایک فریاد رس آتا ہے
جس کے واسطے سے دُعا قبول کرنے والا احسان کرتا ہے
جب حوادثِ زمانہ انتہا کو پہنچ جاتے ہیں
تو اِس کے بعد کشادگی جلد آ جاتی ہے

مبرد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کی تلوار پر یہ اشعار کندہ تھے۔

---

(۱) بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جو آپ سے منسوب کیے جاتے ہیں مگر آپ کے نہیں ہے۔ درج بالا اشعار تاریخی کتب میں اکثر ملتے ہیں۔

لوگ دُنیا کے بہت ہی زیادہ حریص ہیں۔ حالانکہ اِس کی صف تیرے لیے کدورت سے آصختیہ ہے۔

بہت سے اِس کے لیے مصر ہیں اور دُنیا ان کو نہیں ملتی
اور بہت سے عاجز کوتاہی کے باوجود دُنیا کو حاصل کر گئے
جب رزق ملتا ہے تو عقل سے نہیں ملتا بلکہ رزق تقدیر سے حاصل ہوتا ہے۔
اگر دُنیا غلبہ وقوت سے ملتی ہوتی تو جرہ باز چڑیوں کی روزی لے اُڑتے چڑیاں محروم رہتیں۔

حمزہ بن حبیب الزیات نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

اپنا راز سوائے اپنی ذات کے کسی پر ظاہر نہ کرو
کہ ہر نیک خواہ کے لیے نیک خواہ موجود ہے
اور میں نے بہت سے گمراہ لوگوں کو دیکھا ہے
کہ وہ کسی کھال کو بھی صحیح [1] نہیں چھوڑتے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند مشہور فیصلے، تصفیے اور پُر مغز جوابات

غلام کا دعویٰ بابت اپنے مالک کا مالک ہونے کا:

کلیانی اور شیخ صدوق نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں دو اشخاص ان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ جن میں سے ایک غلام تھا اور ایک مالک۔ یہ دونوں

[1] عیب جوئی کرتے ہیں۔

حج ادا کرنے کے بعد کوفہ کی جانب سفر کر رہے تھے کہ اس دوران غلام نے کوئی غلطی کی جس کے لیے مالک نے اُسے مارا پیٹا۔ غلام نے مالک سے کہا کہ تم میرے غلام ہو کر بھی مجھے بلاوجہ کیوں مارتے ہو۔ کچھ لوگوں نے اِن کے درمیان تصفیہ کرانے کی کوشش کی مگر غلام اِس بات پر مصر رہا کہ میں ہی اس کا مالک ہوں۔ حتیٰ کہ یہ لوگ کوفہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ مالک نے غلام سے کہا کہ کیوں نہ اِس کا فیصلہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کروا لیں۔ غلام نے رضا مندی ظاہر کی جب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضور پیش ہوئے تو دونوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ دوسرے شخص کا مالک ہے۔ اس پر جو حقیقت میں اپنے غلام کا مالک تھا رونے لگا اور کہا کہ میرے باپ نے مجھے اس غلام کے ساتھ حج پر بھیجا تھا راستے میں اس نے کوئی غلطی کی تو میں نے اِسے مارا پیٹا۔ جواباً غلام نے بھی سارا ماجرا اسی طرح کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے واپسی پر اس نے غلطی کی تو میں نے اسے مارا پیٹا اور اب یہ غصہ میں آ کر میرے مالک ہونے کا دعویدار بن گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ تمام ماجرہ سننے کے بعد حکم دیا کہ انہیں اگلے دن میرے سامنے پیش کیا جائے۔ اگلے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیوار میں دو سوراخ کروائے جو کہ اتنے چوڑے تھے کہ عام آدمی کا سر اس میں داخل ہو سکے۔ جب یہ دونوں اشخاص حاضر ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ ان میں اپنے سر ڈال دو جونہی انہوں نے سر ڈالے تو آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ غلام کا سر کاٹ دو یہ سنتے ہی اصل غلام نے ایک دم سے اپنا سر مارے خوف کے باہر نکال لیا جبکہ اصل مالک نے جنبش تک نہ کی۔

دو عورتوں کا ایک ہی بچہ کی بابت دعویٰ ماں ہونے کا:

سردی نے اپنی تصنیف ارشاد میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں دو خواتین مدینہ کے قاضی کے سامنے پیش ہوئیں جن کے ہمراہ ایک نوزائیدہ بچہ تھا۔ دونوں نے قاضی کے روبرو یہ دعویٰ پیش کیا کہ یہ بچہ اُس کا ہے۔ قاضی اِس صورتحال کو سمجھ نہ سکا لہٰذا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس عجیب وغریب مقدمہ کی گتھی نہ سلجھا سکے۔ اِس صورتحال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گذارش کی کہ مقدمہ انہیں پیش کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِن خواتین سے کہا کہ انہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔ اگر بچے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ دے دیا جائے۔ ان میں سے ایک خاتون اِس پر رضا مند ہو گئی۔ مگر دوسری خاتون نے رونا شروع کر دیا اور کہا کہ میں اِس بچے کے ماں ہونے کے دعویٰ سے دستبردار ہوتی ہوں یہ بچہ دوسری خاتون کو دے دیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ یہ بچہ اُس عورت کا ہے جس نے روتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ بچے کی جان چلی جائے گی دوسری عورت کے حق میں دستبرداری کا اعلان کیا بچے کو اِس کے حوالہ کیا۔

مقدمہ یتیم لڑکی کا:

کلیانی اور شیخ صدوق نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک قیدی لڑکی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر کیا گیا اس جرم کے ساتھ کہ اس نے اپنے مالک کے ساتھ وفاداری نہ کی ہے اور اس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ: ایک شخص نے اس یتیم لڑکی کو سہارا دیا اور اپنے گھر میں رکھا یہ شخص

اکثر کاروباری مصروفیات کے سلسلے میں دور دراز کے علاقوں میں جایا کرتا تھا۔ کچھ سالوں بعد لڑکی جوان ہوگئی اور خوبرو دکھنے لگی اس کی بیوی کو فکر لاحق ہوئی کہ اس کا شوہر اِس جوان و خوبرو لڑکی کے حسن پر فریفتہ ہو کر کہیں اِس سے شادی نہ کر لے۔ اس نے ایک دن جب اس کا شوہر کاروباری سلسلے میں کسی دوسری جگہ گیا ہوا تھا۔ اُس لڑکی کو دوسری کی مدد سے نشہ آور چیز پلا کر بے ہوش کیا اور اُس کے نشانِ بکارت ضائع کر دیا۔ جب وہ شخص واپس لوٹا تو اس نے لڑکی کے بارے میں دریافت کیا تو اس کی بیوی نے کہا کہ لڑکی ہمسایہ کے لڑکے کے ساتھ گناہ کر بیٹھی ہے یہ سُن کر آدمی کو سخت غصہ آیا اور لڑکی کو تلاش کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدمہ کی پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیا۔ اُس شخص اور اس کی بیوی نے وہی تمام کہانی امیر المومنین کے سامنے دہرا دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ایک ایک کر کے گواہ اِن کے سامنے پیش کیے جائیں۔ لہٰذا پہلی خاتون گواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نیام سے اپنی تلوار نکالی اور اپنے اور اُس خاتون گواہ کے درمیان رکھ دی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتی ہو میں علی ابن ابی طالب ہوں مجھے سچ بتاؤ اور سچ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ خاتون بہت چالاک تھی اس نے وہی جھوٹی کہانی بیان کر دی اور اس پر قائم رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھتے ہوئے اسے علیحدہ جگہ پر اکیلے رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد دوسری خاتون گواہ کو طلب کیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے مجھے سچ نہ بتایا تو ابھی تمہاری گردن تن سے جُدا ہو جائے گی اور یاد رکھو کہ تم سے پہلے جو خاتون آئی تھی وہ مجھے سب سچ سچ بتا گئی ہے اور میں نے اُسے معافی دے دی ہے۔ اگر

تم بھی مجھے سچ بتا دو گی تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک ہو گا (معافی مل جائے گی) اس گواہ نے اپنی جان کو خطرے میں دیکھ کر تمام سچائی بیان کر دی۔ جس سے کہ اُس یتیم لڑکی پر لگا الزام مکمل طور پر غلط ثابت ہوا اور اُس شخص کی بیوی کا سارا پول کھل گیا۔

حقیقت سنتے ہی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نبی کے بعد میں پہلا ہوں کہ جس نے گواہان سے دو مختلف بیانات اُگلوائے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس خاتون کو جس نے لڑکی پر جھوٹا الزام لگایا تھا کو شرعی سزا کا حکم دیا اور اُس کے شوہر کو حُکم دیا کہ اِسے...... طلاق دے دے اور اُس معصوم لڑکی سے شادی کر لے۔ سو اُس شخص نے ایسا ہی کیا اِس موقعہ پر اُس یتیم لڑکی کا حق مہر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جیب سے ادا کیا۔ جھوٹی خواتین گواہان کو بھی جرمانہ کی سزا دی گئی اور جرمانہ کی رقم لڑکی کو دے دی۔

بچے کی رنگت مختلف اپنے باپ سے:

ایک نیگرو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا ساتھ میں اس کی بیوی بھی تھی جو کہ اِسی کی طرح سیاہ رنگت کی تھی۔ اِس شخص نے بیان کیا کہ میں اور میری بیوی سیاہ رنگت کے حامل ہیں مگر میری بیوی نے جس بچہ کو جنم دیا ہے اُس کی رنگت سُرخی پر ہے۔ اِس شخص نے یہ بھی الزام لگایا کہ شاید میری بیوی نے کسی دوسرے اِسی رنگت (سُرخ) والے شخص سے گناہ کیا ہے اور اِسی شخص کی رنگت بچے نے اپنا لی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقدمہ کی باریکیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے

مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نیگرو سے کہا کہ میں جو کچھ تم سے پوچھوں گا کیا تم اُس کا بالکل صحیح جواب دو گے۔ نیگرو نے کہا کہ یا امیر المومنین ہاں میں بالکل دُرست جواب دونگا اور کچھ نہیں چھپاؤں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے کبھی اپنی عورت کے ساتھ اُس وقت بھی مباشرت کی ہے جب وہ حیض سے ہو۔ اُس نے جواب دیا ہاں میں ایسا کرتا رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ تمہارے بچے کی رنگت سُرخی مائل ہے۔ اس میں تمہاری بیوی بے قصور ہے یہ سُن کر وہ نیگرو انتہائی شرمندگی کے ساتھ رُخصت ہوا۔

(حوالہ ترکِ حکمیہ از ابن صوم صفحہ ۴۷)

مقدمہ خواب میں زنا کا:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں تحریر کیا ہے کہ عبد الرزاق نے مصنف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حاضر ہوا اور کہا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ خواب میں میں نے تیری ماں کے ساتھ زنا کیا ہے آپ نے فیصلہ کیا کہ جاؤ اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کرو (جس نے خواب میں زنا کیا ہے) اور اِس کے سائے کو کوڑے مارو (مطلب یہ کہ یہ شخص مستوجب سزا نہیں ہے) یہی فیصلہ ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ مناقب شہر آشوب جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ میں بھی درج ہے۔

جھوٹے گواہ:

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تصنیف تاریخ الخلفاء میں تحریر کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے بحوالہ عطا کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک مرتبہ ایک شخص پر دو شخصوں نے چوری کی گواہی دی آپ نے تفتیش حال فرمائی اور فرمایا کہ میں جھوٹے گواہوں کو سخت سزا دونگا اور جب کبھی میرے پاس جھوٹے گواہ آئے ہیں۔ میں نے ان کو سخت سزائیں دی ہیں۔ پھر آپ نے اِن دونوں گواہوں کو شہادت کے لیے طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں پس آپ نے ملزم کو بری کر دیا۔

مشہور فیصلہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کافی مشہور ہے اور اکثر تاریخی کتب میں مورخین نے رقم کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں بیان کیا ہے کہ زرین جیش کہتے ہیں کہ دو شخص صبح کے وقت کھانا کھانے بیٹھے تھے ایک شخص کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین اتنے میں اِدھر سے ایک شخص گذرا اُس نے السلام علیکم کہا انہوں نے اِس کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا اور تینوں نے وہ آٹھ روٹیاں مل کر کھائیں۔ اس تیسرے شخص نے جاتے وقت آٹھ درہم اِن دونوں کو دیئے اور کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھایا ہے یہ اس کی قیمت رکھ لو۔ تم دونوں اِسے آپس میں تقسیم کر لینا۔ اِن دونوں میں اس رقم کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا۔ پانچ روٹیوں والے شخص کا مطالبہ تھا کہ چونکہ پانچ روٹیاں میری تھیں اِس لیے پانچ درہم میرے حصہ میں آتے ہیں جبکہ تمہارے حصہ میں تین درہم آتے ہیں

کیونکہ تین روٹیاں تمہاری تھیں۔ تین روٹیوں والے نے اصرار کیا کہ یہ روٹیوں کی تعداد کا معاملہ نہیں رقم برابر تقسیم کرنا ہوگی۔ یہ دونوں یہ فیصلہ لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مقدمہ سُن کر تین روٹیوں والے سے کہا کہ تمہارا ساتھی جو کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اسے قبول کرو کیونکہ اِس کی روٹیاں زیادہ تھیں اور تم اپنے حصہ کے تین درہم لے لو یہ سُن کر تین روٹیوں والے نے کہا کہ میں اِس غیر مصنفانہ فیصلہ پر راضی نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ فیصلہ غیر منصفانہ نہیں ہے۔ ورنہ تم کو ایک درہم اور تمہارے ساتھی کو سات درہم ملیں گے۔ یہ سُن کر اس شخص نے کہا سبحان اللہ! یہ کیا فیصلہ ہوا آپ مجھے سمجھا دیجیے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آٹھ روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے تم تین آدمیوں نے کھائے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس نے کم کھائے اور کس نے زیادہ اِس لیے اپنی روٹیوں کے برابر حصہ لے لو۔ پس تمہاری تین روٹیوں کے نو ٹکڑوں میں سے تم نے آٹھ کھائے اور تمہارا صرف ایک ٹکڑا باقی بچا جبکہ تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جس سے اس نے آٹھ کھائے اور سات ٹکڑے باقی بچے۔ اس طرح مہمان نے تمہاری روٹیوں میں ایک ٹکڑا اور تمہارے ساتھی کی روٹیوں میں سے سات ٹکڑے کھائے۔ اس لیے تمہیں ایک ٹکڑے کے عوض ایک درہم اور تمہارے ساتھی کو سات ٹکڑوں کے عوض سات درہم ملنے چاہیے۔ تفصیل سننے کے بعد اس جھگڑے والے شخص نے آپ کے فیصلے کو قبول کر لیا۔

شراب نوشی کا مقدمہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص شراب نوشی

کی حالت میں گرفتار ہوا جب اُس کو سزا دی جانے لگی تو اُس نے کہا کہ مجھے کس جرم کی سزا دیتے ہو۔ قاضی نے کہا کہ تم نے شراب نوشی کی ہے اور یہ اسلام میں قابلِ تعزیز ہے۔ اس پر اُس شخص نے کہا کہ بخدا مجھے نہیں معلوم کہ شراب نوشی اسلام میں ممنوع اور قابل سزا قرار پا چکی ہے۔ قاضی نے اس اُلجھتی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے مقدمہ خلیفہ اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربارِ خلافت بھجوا دیا۔ اُس شخص نے سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی وہی کچھ کہہ سنایا جو اِس سے قاضی کے روبرو کہا تھا۔ خلیفہ اوّل نے مقدمہ کو حل نہ ہوتے دیکھ کر اِسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خادمین کو حکم دیا کہ اس شخص کو ساتھ لے جاؤ اس کے علاقے میں جہاں یہ رہتا ہے۔ اِسے تمام جگہ لے کر جاؤ اور ساتھ ساتھ لوگوں سے پوچھتے رہو کہ کسی دومومنین نے اس شخص کو حرمت شراب کے بارے میں آیات سنائی تھیں یا نہیں۔ لہٰذا ایسا ہی کیا گیا مگر اُس کی عرض صحیح نکلی کوئی بھی شخص ایسا نہ ملا جس نے اس شخص کے سامنے شراب کی ممانعت کی آیات پڑھ کر سنائیں ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِس شخص کو بری کر دیا مگر تنبیہ کی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ اب یہ بات تمہارے علم میں آ چکی ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو سزا کے مستحب قرار پاؤ گے۔ (حوالہ مناقب جلد دوئم صفحہ ۱۷۹)

قاضی کا غلط فیصلہ:

عجائب الحکام میں بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد کوفہ میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بڑے درد ناک انداز سے آہ و بکا کر رہا ہے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو

اس نے عرض کی کہ میں آپ کے پاس قاضی کے فیصلے کے خلاف اپیل لے کر حاضر ہوا ہوں۔ واقعہ اس طرح ہے کہ میرے والد محترم اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ سفر پر گئے کچھ عرصہ بعد جب واپس آئے تو میں نے اپنے والد کو نہ پا کر اُن سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ راستے میں وفات پا گئے ہیں میں نے اِن سے پوچھا کہ میرے والد کے پاس رقم خطیر تھی وہ کہاں ہے تو انہوں نے کہا کہ اُن کے پاس سے کچھ بھی نہ ملا تھا۔ مگر مجھے اس بارے میں بالکل صحیح معلوم تھا کہ میرے والد کے پاس جب وہ سفر پر روانہ ہونے لگے تو ایک رقم خطیر تھی۔ میں نے مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کیا۔ قاضی نے اِن افراد کو طلب کیا جو کہ سفر میں میرے والد کے ہمراہ تھے۔ ان سے حلف لیا سب نے حلفاً کہا کہ میرے والد کے پاس بوقت وفات کچھ رقم نہ تھی لٰہذا قاضی نے انہیں بے قصور ٹھہرا کر بری کر دیا۔ یہ حقائق بیان کرنے کے بعد اُس شخص نے کہا کہ یا امیر المومنین میں آپ کے پاس ایک بہتر فیصلے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

امیر المومنین نے فرمایا کہ میں اس مقدمہ میں ایسا فیصلہ دونگا جو کہ کسی نے کسی بھی مقدمہ میں نہ دیا ہوگا۔ سوائے حضرت داوٗد علیہ السلام کے۔ آپ نے اپنے غلام قنبر کو بُلایا اور کہا کہ چند فوجی افسران کو لے آوٗ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ اُن لوگوں کو فوراً تلاش کر کے حاضر کرو جو اس نوجوان کے والد کے ساتھ سفر پر گئے تھے۔ لٰہذا حُکم کی تعمیل ہوئی۔ کچھ دیر میں یہ افراد امیر المومنین کے روبرو پیش تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں الگ الگ مسجد کوفہ کے Pillars کے ساتھ باندھ دیا جائے اور لوگوں کو جو اُس وقت مسجد میں موجود تھے درخواست کی کہ جب وہ تکبیر کہیں تو ان کا ساتھ دیں۔ آپ پہلے ایک ملزم

کے پاس گئے اور کہا کہ بتاؤ کیا ہوا تھا۔ اُس نے وہی روئیداد جو قاضی کے روبرو کہی تھی آپ کو کہہ سنائی۔ آپ نے فرمایا یہ مت سمجھو کہ مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ مجھے بتاؤ کے تم اِس سفر پر کب روانہ ہوئے تھے۔ مجھے مہینہ تاریخ اور وقت بتاؤ جب تم نے اِس نوجوان کے والد کے ساتھ سفر کا آغاز کیا تھا اور وہ کب بیمار ہوا تھا۔ جگہ، وقت اور دن بتاؤ؟ اُس کی بیماری کیا تھی۔ کس نے اس کا علاج کیا اور کس دوا کے ساتھ اور اُس کا انتقال کب ہوا تاریخ اور وقت بتاؤ کس نے اُسے آخری غسل دیا۔ کس نے اُسے کفن میں لپیٹا۔ کتنے لوگ اس کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اگر ممکن ہو تو اِن میں سے کسی کا نام بتاؤ اور کس نے اِسے قبر میں اُتارا۔ وہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوالات کی بوچھار سے گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار ہو گیا کیونکہ سوالات تمام کے تمام مقدمہ سے متعلقہ تھے۔ مگر اِس نے کافی کوشش کے بعد جوابات دے دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام افراد جو مسجد میں موجود تھے اِس نعرہ کو پُر جوش طریقے سے جواب دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو علیحدہ قید کر دیا جائے اور دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اِس شخص کو تکبیر کی صداؤں سے اِس بات کا یقین ہو گیا کہ اِس کے پہلے ساتھی نے اعترافِ جرم کر لیا ہے۔ اسی وجہ سے نعرہ تکبیر بلند ہو رہا ہے۔ (عرب میں اُس وقت اسلام کے بعد یہ عام رواج تھا کہ جب کسی پر فتح نصیب ہو تو نعرہ تکبیر بلند کیا جاتا تھا)۔ لہٰذا اس نے فوری اندازہ لگا لیا کہ امیر المومنین نے نعرہ تکبیر بلند کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اِن کا جواب پر زور انداز میں دیا ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ اس کے ساتھی نے اعترافِ جرم کر لیا ہے۔ اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوچھتے ہی

تمام قصہ بالکل سچ بتا دیا کہ میں تو شروع سے ہی اِس نوجوان کے والد کے قتل کے خلاف تھا میں نے اپنے دیگر ساتھیوں سے کہا تھا کہ صرف پیسہ مال چھین لیتے ہیں قتل نہیں کرتے مگر انہوں نے میری بات نہ مانی اور اُسے قتل کر کے تمام مال چھین لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے معافی دی جائے۔ اُس کے بعد اِس کے دیگر ساتھیوں نے بھی اعترافِ جرم کر لیا۔ امیر المومنین نے انہیں حکم دیا کہ فوراً اس نوجوان کو اس کے والد سے لوٹی ہوئی رقم واپس کریں بمع جرمانہ قتل کے۔

قاضی جو اُس وقت وہاں موجود تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کی کہ قتل جیسے مقدمات کا فیصلہ انتہائی دانشمندانہ اور عقل کے ساتھ کیا کرے۔

مقدمہ تین دیناروں کا:

شیخ صدوق نے امام جعفر صادق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے دو دینار ایک شخص کے پاس رکھوائے اور ایک دوسرے آدمی نے ایک دینار اِس شخص کے پاس رکھوایا۔ جب انہوں نے واپسی پر اُس سے اپنی رقم طلب کی تو اُس نے کہا کہ ایک دینار چوری ہو گیا ہے۔ پہلے شخص کو ایک دینار دینے لگا تو اُس نے کہا کہ میں نے تمہارے پاس دو دینار رکھوائے تھے جو دینار چوری ہوا ہے وہ دوسرے شخص کا ہے۔ دوسرے شخص نے کہا کہ جو دینار چوری ہوا ہے وہ دوسرے کا ہے میرا ایک دینار مجھے واپس کرو۔ مختصراً یہ کہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِس کا فیصلہ یوں کیا کہ ایک دینار اُس شخص کو دے دیا جائے جس نے کہ دو دینار رکھوائے تھے اور دوسرا دینار دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے۔

وضاحت:

وہ آدمی جس نے کہ دو دینار جمع کروائے تھے اُسے ایک دینار ملا جبکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو دینار چوری ہوا وہ اسی کا دوسرا دینار تھا۔ جبکہ دوسرے شخص نے ایک ہی دینار جمع کروایا اور اگر یہ ہی چوری ہوا ہے تو اُس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ چوری دوسرے دینار کو ہی متاثر کرتی ہے لہٰذا دوسرا شخص نفع و نقصان میں برابر کا شریک ہے۔ (قضاء امیر المومنین صفحہ ۲۹)

چھ ماہ کے بچے کی پیدائش:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں کہ ایک فوجی نے کہا کہ میں جب لشکر سے گھر لوٹا تو اپنی بیوی کے ساتھ چھ ماہ تک رہا کہ اس نے حمل کے چھ ماہ بعد ہی بچے کو جنم دے دیا۔ جبکہ اُس کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ اُس کے شوہر کا ہی ہے۔ مگر شوہر نے اپنی بیوی کی بات ماننے سے انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد جاری کرتے ہوئے اُس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے آپ نے وضاحت کی کہ بچہ اس خاتون کے شوہر کا ہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ قرآنِ پاک میں حمل سے لے کر دودھ پلانے تک کی مدت ۳۰ ماہ درج ہے اور دوسری جگہ پر قرآن پاک میں دودھ پلانے کی مدت دو سال درج ہے۔ اگر یہ دو سال اُس پوری مدت (۳۰ ماہ) بمعہ حمل اور دودھ پلانے سے منہا کر لیے جائیں تو چھ ماہ ہی باقی رہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتہائی خوشی کے جذبات کے ساتھ کہا کہ ''عمر اُس دن کے لیے باقی نہ رہے جب کو مشکل مقدمہ درپیش ہو اور اُس کے تصفیہ کے لیے ابو

الحسن نہ ہوں۔'' یہ کہہ کر آپ نے عورت کو بری قرار دیا۔ (قضاء p:35)

دھوکہ دہی سے شادی:

ایک شخص کی دو بیٹیاں تھیں ایک عرب عورت سے تھی دوسری غیر عرب بیوی کے بطن سے تھی۔ اِس کی بیٹی کا رشتہ جو کہ عرب بیوی کے بطن سے تھی ایک شخص نے مانگا اور اِسے اپنے نکاح میں لینا قبول کیا۔ شادی بھی ہو گئی انہوں نے رات میں زن و شوہر کی طرح گذاری۔ جب صبح ہوئی تو اِس شخص کو علم ہوا کہ اِس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ اس کی شادی اُس لڑکی سے جو کہ اس کی بیوی کے باپ کی عرب بیوی سے تھی انجام ہونا طے پائی تھی مگر اِس کے (لڑکی) باپ نے دھوکہ سے اس کی شادی غیر عرب خاتون کے بطن سے ہوئی لڑکی سے کر دی ہے۔ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ لڑکی کے باپ نے دھوکہ سے اپنی اُس لڑکی کی شادی اس شخص سے کر دی جس کے بارے میں طے نہ کیا گیا تھا۔ لہٰذا انصاف یہ ہے کہ تم اپنی دوسری بیٹی جس کا کہ رشتہ دینا تم نے طے کیا تھا اِس شخص کے نکاح میں دے دو اُس حق مہر کے تحت جیسا کہ تم نے پہلی بیٹی کی دفعہ طے کیا تھا اور آپ نے اس جوان سے کہا تم اُس لڑکی کو طلاق دے دو جس کا کہ تم سے دھوکہ سے نکاح کیا گیا تھا۔

(حوالہ جات: مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۰۳، مناقب جلد دوئم صفحہ ۱۹۷)

قحط سالی میں چوری:

حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دورانِ قحط سالی چوری کے الزامات میں ملوث ملزمان کے ہاتھ کاٹنے کے احکامات نہ

سُنائے تھے۔ (وافی، والیم ا صفحہ ۶۴)

وضاحت:

علامہ جازری نے اِس کی وضاحت یوں کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے دوران چوروں کو جو کہ خوراک سے متعلقہ چیزیں چُرانے کے الزام میں پکڑے جاتے تھے۔ اسلامی شریعت کے مطابق ہاتھ کاٹنے کی سزائیں نہ دیں۔ بصورت دیگر معمولاتِ زندگی کے دوران آپ نے اِس جرم کی شرعی سزائیں دیں۔

شوہر کا قتل:

اسباخ بن نباتا سے مروی ہے کہ ایک عورت پر اپنے شوہر کے قتل کا الزام لگا تفصیل کچھ یوں ہے کہ عورت کے کسی شخص کے ساتھ ناجائز مراسم تھے۔ اس کی شادی کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہوگئی۔ شادی کی رات اِس نے اپنے عاشق سے کہا کہ تم میرے کمرے میں چھپ رہنا جب اُس کا شوہر حق زنا شوئی کے لیے اُس کے پاس گیا تو اُس چھپے ہوئے شخص نے اِس پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ مگر شوہر نے اُس شخص کا حملہ ناصرف ناکام کیا بلکہ لڑائی کے دوران اُسے مار ڈالا۔ یہ دیکھتے ہوئے عورت نے اپنے شوہر پر پیچھے سے وار کیا اور اسے بھی قتل کر ڈالا۔ جب یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیش ہوا تو آپ نے فیصلہ دیا کہ اُس شخص کے قتل کی دیت جس کے کہ اِس خاتون کے ساتھ تعلقات تھے یہ عورت ادا کرے گی اور شوہر کے قتل کے جرم میں اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

(حوالہ جات (مناقب شہر آشوب جلد دوئم صفحہ ۲۰۰) تزکِ حکمیہ صفحہ ۵۰)

ماہِ رمضان المبارک میں شراب نوشی:

کلیانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شاعر جس کا نام نجاشی تھا آپ کے سامنے حاضر کیا گیا اس الزام کے ساتھ کہ اِس نے ماہ رمضان کے مقدس مہینہ میں شراب نوشی کی ہے۔

جب اِس پر الزام ثابت ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِسے اسّی کوڑے مارنے کا حکم دیا جب سزا کی تعمیل ہو چکی تو اگلی صبح آپ نے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اس پر نجاشی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اسلام میں شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے ہے جو کہ مجھے دی جا چکی تھی اب یہ مزید بیس کوڑے زائد کیوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''یہ بیس کوڑے ماہ رمضان کے تقدس کو پامال کرنے کی سزا کے طور پر۔''

(حوالہ: قضاء صفحہ ۱۶۰)

حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کی عادات و اطوار و متفرق باتیں کھانے سے متعلق:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے روزمرہ کے کھانے سے متعلق ہے کہ آپ کا کھانا انتہائی کفایت شعارانہ اور اعتدال پسند ہوتا تھا۔ زیادہ تر روایات یہ ہیں کہ آپ جو کا استعمال کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی ملتا ہے کہ آپ کسی جگہ ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ آپ سے ملنے کوئی آ گیا گفتگو کے دوران کھانے کا وقت آ گیا۔ آپ کے پاس ایک ڈبہ بند پڑا تھا جو کہ مہر سے بند تھا۔ اُس شخص نے سوچا کہ شاید اس میں کوئی زر و جواہرات ہیں کہ امیر المومنین نے اسے مہر کے ساتھ بند کر رکھا ہے۔ جب آپ نے مہر

توڑی تو اندر سے ستو نکلے۔ آپ نے پانی منگوا کر ایک گلاس بنایا آدھا خود پیا اور آدھا اُس شخص کو دیا۔ اُس نے بڑے دردمندانہ انداز سے پوچھا کہ اے امیر المومنین یہاں (عراق) کے عام عوام بھی بہتر کھانا کھاتے ہیں اور آپ خلیفہ ہو کر بھی اِس قدر سادہ کھاتے ہیں وہ بھی اتنا کم اور ناپ تول کر۔ آپ نے فرمایا کہ میں اِسی (کھانے ستو) کا عادی ہوں اور مہر اس لیے کیا ہے تاکہ یہ خراب یا ضائع نہ ہو کیونکہ اگر یہ ضائع ہو گئے تو لامحالہ میرے لیے دوسرے مال (بیت المال) سے کھانے کا بندوبست ہو گا جو مجھے کسی طرح منظور نہیں اس لیے انہیں (ستو) کو بقدر ضرورت استعمال کرتا ہوں اور ان پر مہر لگائے رکھتا ہوں۔

عام طور پر آپ روٹی کے ساتھ نمک کا استعمال بھی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار سرکہ سبزیوں پر ڈال کر استعمال کرتے تھے۔ دودھ بھی آپ کی غذا کا اہم حصہ رہا ہے اور یہ بھی تاریخ میں اکثر ملتا ہے کہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو خدا کا شکر کر کے فاقہ سے رہتے۔ اس حوالے سے سیرت النبی ﷺ کی کتابوں میں ایک واقعہ یوں ہے کہ آقائے دو جہاں محمد ﷺ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ اپنی پیاری بیٹی بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر گئے اور فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ابا جان گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں۔ آپ واپس گھر پر تشریف لائے تو گھر پر کسی نے کھانا بھجوا دیا تھا۔ اس میں سے آپ نے کچھ کھانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر بھی بھجوایا۔ ایک اور جگہ ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بی بی فاطمہ کو بھی کھانے کے لیے اپنے گھر بُلا لیا۔ یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ آپ بہت کم کھایا کرتے تھے۔

ابن الحدید لکھتے ہیں کہ آپ اگر روٹی کے ساتھ کوئی دوسری غذا استعمال کرتے تو وہ نمک یا سرکہ ہوتی۔ کبھی کبھار آپ سبزیاں بھی استعمال کیا کرتے اور کبھی آپ کھانے کے ساتھ اونٹنی کے دودھ کا بھی استعمال کرتے تھے لیکن ایسا بہت ہی کم ہوتا اور یہ بھی بہت کم دیکھا گیا کہ آپ نے گوشت تناول فرمایا ہو۔ آپ کرتے تھے کہ اپنے شکموں کو جانوروں کا گورستان مت بناؤ۔ حضرت محمد باقر سے روایت ہے کہ آپ مہمانوں کی تواضع روٹی اور گوشت سے کرتے جبکہ خود روٹی کے ساتھ نمک استعمال کرتے۔

ابن الحدید نے بھی ستو کے استعمال کا ذکر کیا ہے جسکا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ اس واقعہ کے سلسلے میں جس شخص نے آپ سے مسجد میں ملاقات کی اور ستو نوش فرمائے۔ ابن الحدید نے اس شخص کا نام حارث بتایا ہے۔

عدی ابن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ آپ سوکھی روٹی پانی کے ساتھ نوش فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کی امیر المومنین آپ دن میں تو جہاد میں کرتے ہیں اور راتوں کو عبادتِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں کیا یہ خوراک جو آپ کھاتے ہیں قوائے بدن کے لیے موضوع ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جسم کو طاقت ور بنانے کے لیے روحانی کاوشوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ (جسم) باغیانہ روش اختیار نہ کرے۔

حضرت سوید کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں سوکھی جو کی روٹی ہے۔ جو دہی کے ساتھ تناول فرما رہے ہیں۔ روٹی سوکھی ہونے کی وجہ سے اتنی سخت تھی کہ توڑنے میں دقت پیش آ رہی تھی اور ایک دفعہ عید کے موقع پر امیر المومنین سے ملنے گیا تو آپ جو کی روٹی کھانے میں دلیے کیساتھ کھا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی اے امیر المومنین!

آپ اِس موقعہ پر بھی سادہ غذا تناول کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا:

"یہ اُن کی غذا ہے جنہیں اللہ نے بخش دیا۔"

آپ کی روزہ مرہ کی غذا کے حوالے سے ایک سب سے اہم بات یہ بھی ملتی ہے کہ کبھی آپ نے دو اقسام کے کھانے ایک وقت میں تناول نہیں کیے۔ اگر کسی دعوت یا تہوار کے موقع پر آپ کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے رکھ دیے جاتے تو آپ اُنہیں مکس کر کے ایک ہی بنا لیتے اور تناول فرماتے۔ ایسے ہی کسی موقع پر آپ نے گوشت میں ڈالا اُس میں گھی نہ تھا کسی نے کہا یا علی آپ اِس میں گھی ڈال لیجئے آپ نے فرمایا کہ "ہم دو چیزیں (کھانے) ایک وقت میں نہیں کھاتے۔"

آخری ایام میں بی بی اُمِ کلثوم نے آپ کے سامنے جو کی روٹی، نمک اور دودھ پیش کیا کہ آپ نوش فرمائیں۔ آپ نے دودھ کا پیالہ واپس کر دیا اور روٹی نمک کے ساتھ تناول کی۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھانے کی عادات و اطوار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہہ تھے۔

آپ ہمیشہ اپنے آگے سے کھانا تناول کرتے اور کبھی بھی آپ نے بیچ میں سے نوالہ نہیں لگایا۔

آپ کے خطوط، اقوال اور خطابات کی بلند پایہ تصنیف نہج البلاغہ میں درج ہے کہ آپ کو مشروبات میں سے پانی سب سے زیادہ پسند تھا اور خاص طور سے بارش کا پانی آپ اِس کے متعلق فرماتے ہیں کہ بارش کا پانی بے شمار بیماریوں سے بچاتا ہے اور نظام ہضم کو بہتر کرتا ہے۔

لباس سے متعلق:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سادہ اور سستا لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ ایسا لباس جو زیادہ تر غرباء یا درمیانے طبقے کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ آپ کا منشاء جسم کو ڈھانپنے کا ہوتا نہ کہ دکھاوے کا اسی خاطر آپ کو بارہا غریبوں کے لباس سے بھی کم تر لباس میں دیکھا گیا۔ تاریخ کی روایتوں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آپ بے موسمی لباس زیب تن کیا کرتے تھے یعنی گرمیوں کے موسم میں موٹے اونی کپڑے اور سردیوں میں پیوند لگے باریک کپڑے۔

کچھ لوگوں نے اِس لباس کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا ''کہ یہ معمولی کٹے پھٹے کپڑے زیب تن کرنے سے دل میں نیک اور پاک جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اہل ایمان میری پیروی کی کوشش کریں گے جب وہ مجھے اس کا لباس میں دیکھیں گے۔

مشہور تاریخ دان المسعودی لکھتا ہے کہ آپ نے کبھی اپنے عہد خلافت میں نیا لباس زیب تن نہیں کیا۔ آپ سر پر عمامہ باندھنے کو ترجیح دیتے اور اکثر کہا کرتے ''کہ عمامہ عربوں کا تاج ہے۔''

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اکثر علی کو معمولی کٹھے پھٹے پہنے دیکھا اور اپنی جوتوں کی مرمت کرتے ہوئے بھی دیکھا۔

زید ابن وھاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا کہ ان کے لباس پر جابجا رفو کے ٹکڑے لگے ہیں۔

محمد ابن عبد الرحمان کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دائیں ہاتھ کی اُنگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی خلافت پر الملک اللہ درج تھا بعض روایتوں میں ہے کہ للہ لا ملک درج تھا۔

اور جب آپ بازاروں میں نکلتے تو اپنے ایک درہ ہاتھ میں تھاما ہوتا۔

عبادتِ الٰہی:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ تقریباً تمام رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ بعض روایتیں ملتی ہیں کہ جس میں کسی شخص نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا جب آپ سجدے میں گئے تو اُس شخص کو ایسا لگا جیسے کہ آپ دُنیا میں نہیں رہے اور اُس نے بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں پوچھا تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اللہ کے حضور فرض کی ادائیگی کے وقت ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ چہرہ انور پیلا پڑ جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے خوف کے مارے سارے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

اندازِ گفتگو:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عرب کا سب سے زیادہ فصیح و بلیغ شخص مانا جاتا ہے۔ آپ کا انداز گفتگو اس درجہ کا تھا کہ سننے والے کو بات مکمل طریقے سے سمجھ آ جاتی تھی۔ اگر کوئی بات یا مسئلہ سمجھانا مقصود ہوتا تو آپ مثالیں دے کر اِسے واضح کیا کرتے تھے۔ آپ کا کلام ''نہج البلاغہ'' کی صورت میں محفوظ ہے۔ اِس پر اعتراضات ہیں کہ یہ مکمل طور پر آپ کا نہیں۔ مگر پھر بھی کافی حصہ آپ کے ہی خطبات، تقاریر اور خطوط پر مشتمل ہے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت کے آپ کے دشمن بھی قائل تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں آپ کسی موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے جس میں کہ ایک خارجی بھی موجود تھا۔ اس نے آپ کی گفتگو سُنی

تو آپ کی بے حد تعریف کی۔

اندازِ حرب:

اللہ ربّ العزت نے بہادری و جوانمردی کا جوہر آپ کو یگانہ عطا کیا کہ بڑے بڑے سورماؤں کو آپ نے ایک ہی وار میں تہہ تیغ کیا۔ ایک بار جنابِ مرتضیٰ سے کسی نے پوچھا اے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ! آپ جنگ میں بڑھ چڑھ کر شجاعت و دلیری کے جوہر دکھاتے ہیں۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا طاقتور انسان آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس مہارتِ جنگ کا کوئی گُر تو بتائیں آپ نے بتایا کہ جب میرے سامنے کوئی مجھ سے لمبے قد کا مدمقابل آتا ہے تو میں اُسے اپنی تلوار سے دائیں سے بائیں ضرب دیتا ہوتا ہوں اگر قد میں میرے برابر یا چھوٹا ہوتا ہے تو اُوپر یعنی سر سے نیچے ضرب دیتا ہوں۔ آپ نے جتنے بھی غزوات یا سرایہ میں حصہ لیا ان تمام میں جب آپ اپنے دشمن کے مدمقابل گئے ہیں تو پہلے اُس اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے پھر اُسے جنگ نہ کرنے کا کہا پھر آخری مرحلہ پر آپ اُس کے مقابل آئے ہیں۔ ایک اور جگہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا دشمن خود ہی حوالگی دے دیتا ہے۔

حسنِ مزاح:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کبھی کِھل کِھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا بلکہ آپ کے روشن چہرے پر ہر وقت تبسم رہا کرتا تھا۔ دوسروں کو آپ سے مل کر دلی راحت محسوس ہوتی تھی۔ ایک بار محفل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ موجود تھے اور کھجوریں نوش فرما رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کھائی ہوئی کھجوروں کی گٹھلیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیں اور

ازراہِ مزاح کہا کہ دیکھو علی نے سب سے زیادہ کھجوریں کھائیں ہیں۔ جناب مرتضیٰ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا کہ کچھ لوگ گٹھلیوں سمیت ہی کھجوریں کھائے جا رہے ہیں (محمد ﷺ کے سامنے کوئی گٹھلی نہ تھی کیونکہ اُنہوں نے اپنی گٹھلیاں جناب علی کے سامنے رکھ دیں تھیں)۔

عربی زبان کے قوائد:

امام جلال الدین سیوطی [1] ابو القاسم زجاجی امالیہ میں چند راویوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ابی الاسود نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ میں ایک روز امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے گردن جھکائے کچھ سوچتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا: امیر المومنین آپ اتنے انہماک کے ساتھ کیا دیکھ رہے ہیں تو سیّدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہاری زبان عربی میں چند اُصول و قواعد و ضوابط مرتب کرنے کی ضرورت ہے تو آپ نے عربی زبان کے کچھ اُصول متین کیے اس حوالے سے عربی زبان میں جو گرائمر کے اصول و ضوابط رائج ہیں وہ آپ کے ہی عطا کردہ ہیں۔

قربِ قیامت:

کسی شخص نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے قربِ قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اِس کے جواب میں یہ آیت کریمہ پڑھی:

وَ اِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّ
بُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا۝

---

[1] تاریخ الخلفاء۔

''اور ایسا شہر یا گاؤں نہیں ہے کہ جس میں ہم رہتے ہیں
مگر تباہ و برباد ہو جائیں گے یا اس پر کوئی عذاب مسلط
ہو گا۔ قیامت آنے سے قبل یہ تمام باتیں کتاب میں لکھ
دی گئیں ہیں۔'' (القرآن)

اِن کی تفسیر کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا نے قرب قیامت کی علامات جو احادیث میں ان سے متعلق تھیں بیان فرمائیں جن کا خلاصہ یہ تھا:

''قرب قیامت میں گناہ بکثرت ہونگے۔ مکہ مکرمہ کو حبشی
تباہ کردیں گے۔ مدینۃ المنورہ میں خرابی پیدا ہوگی۔ یعنی قحط
و وبا پھیلے گی۔ وہاں کے لوگ بھوک سے مرنے لگیں گے۔
بصرہ، عراق اور مشہد میں شراب نوشی کے علاوہ زنا عام ہو گا
جس کی بناء پر آسمانی عذاب (یعنی بارش اور آندھی) کی
شکل میں ان پر مسلط کر دیا جائے گا۔ شام جیسا ملک
سلاطین وقت کے ظلم و تشدد کی بناء پر ویران ہو جائے گا۔
آسمان سے تباہی نازل ہوگی۔ باغات تباہ ہو جائیں گے۔
آسمان سے سخت قسم کی آواز آئے گی تو زمینی مخلوق کا عرصہ
حیات تنگ ہو جائے گا۔
خراسان اور بلخ پر تجارت میں سود اور رشوت کے علاوہ
خیانت کی وجہ سے تباہی نازل ہوگی۔ وہاں کے لوگ انہی
لوگوں کی بدبختی کی وجہ سے مر جائیں گے۔''(۱)

---

(۱) انیس الارواح از خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ قرب قیامت کے حوالہ سے تمام عبارت اسی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

مسجد میں روشنی کرنے سے متعلق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو مسلمان مسجد میں چراغ روشن کریگا تو ربّ العزت اس کے صلے میں اس کی قبر روشن کر دے گا اور ساتھ ہی ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اس کے نامہ اعمال میں ایک سال تک کی نیکیاں لکھ دی جائیں گی اس کے مرنے کے بعد اُسے جنت میں ایک اعلیٰ محل دیا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہی رہے گا۔'' [1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ریاضیات:

یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ جنابِ امیر علیہ السلام اپنے عہد کے سب سے بڑے مبلغ، دانشور اور انتہائی زیرک انسان تھے۔ کئی دفعہ یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کی قدر و منزلت میں کمی کی خاطر ریاضی کے مشکل ترین سوالات پیش کیے تاکہ آپ کو شرمندگی کا سامنا ہو۔ مگر انہیں شاید علم نہ تھا کہ جناب مرتضیٰ علیہ السلام مولانا مشکل کشا ہیں۔ آپ نے بغیر توقف کے ان کے تمام پیچیدہ ریاضی سے متعلق سوالات کا آسان طریقے سے جواب دیا کہ انہیں منہ کی کھانی پڑی اور یہ خام خیالی بھی دور ہوگئی کہ مسلمان صرف میدان کے ہی دھنی نہیں بلکہ علم و ہنر، حکمت و دانائی کے بھی سورما ہیں۔

مشکل ریاضی کا سوال:

ایک دفعہ ایک مشرک آپ کے پاس ایک ریاضی کا مشکل سوال لے کر اس نیت سے آیا کہ آپ کو اس کے حل کے لیے دقت پیش آئے گی۔ اس

[1] انیس الارواح مؤلف حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ایسا ہندسہ بتائیں جو ہم 10-1 سے تقسیم کریں تو جواب قابل تقسیم ہندسہ کی صورت میں آئے نہ کہ نا قابل تقسیم اعشاریہ کے ہندسہ کی صورت میں۔ آپ نے جواب دیا کہ سال میں جتنے دن ہیں اُن کی گنتی کرو یہ 360 تین سو ساٹھ (۱) بنتے ہیں۔ انہیں ہفتے میں شمار دنوں سے ضرب کرو اور پھر 10-1 تقسیم کرو تو جواب ہمیشہ قابل تقسیم نمبر کی صورت میں آئے گا اور نا قابلِ تقسیم ہندسہ میں نہ آئے گا۔

سال میں شمار دن 360

ہفتہ میں شمار دن 7

$360 \times 7 = 2520$

$2520 \div 1 = 2520$

$2520 \div 2 = 1260$

$2520 \div 3 = 840$

$2520 \div 4 = 630$

$2520 \div 5 = 504$

$2520 \div 6 = 420$

$2520 \div 7 = 360$

$2520 \div 8 = 315$

$2520 \div 9 = 280$

$2520 \div 10 = 252$

جیسا کہ سوال تھا کہ کوئی ایسی رقم جسے 10-1 پر تقسیم کیا جائے تو جواب

(۱) عربی کیلنڈر میں سال کے 360 دن بنتے ہیں۔

میں ایسی رقم آئے جو کہ قابل تقسیم ہو اعشاریہ نہ ہو تو قارئین درج بالا ریاضی کے حل سے صاف ہے کہ ہر بار حاصل شدہ رقم قابلِ تقسیم ہے اعشاریہ میں نہ ہے۔

پیچیدہ وصیت:

ایک دفعہ ایک شخص قریب المرگ تھا۔ اس حالت میں اِس نے وصیت تحریر کی کہ میرے پاس سترہ اُونٹ ہیں اور تین بیٹے ہیں۔ یہ اِس طرح میرے بیٹوں میں تقسیم کیے جائیں کہ: بڑے بیٹے کے حصہ میں آدھے 50% آئیں اور دوسرے کے حصہ میں ایک (1/3) تہائی اور سب سے چھوٹے یعنی تیسرے بیٹے کے حصہ میں کل تعداد کا (1/9) نواں حصہ آئیں۔ اس کے مرنے کے بعد جب اس کے عزیز رشتہ داروں نے وصیت پر عمل کرنا چاہا تو مشکل میں پڑ گئے کہ سترہ اُونٹ کیسے تقسیم کیے جائیں۔

اِس مشکل سے نجات کے لیے یہ جناب امیر علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور وصیت کے بارے میں بتایا۔ جناب مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وصیت کو ایسے حل کرونگا کہ اِس پر پوری طرح عمل ہو کوئی مسئلہ یا پریشانی باقی نہ رہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں اپنا ایک اُونٹ وصیت کیے گئے اُونٹوں میں شامل کرتا ہوں جو کہ بعد میں واپس لے لونگا۔

وصیت شدہ کل اُونٹ:	17
جناب امیر علیہ السلام نے شامل کیا:	1
کل:	17 + 1 = 18

اب کل تعداد 18 ہوگئی۔

بڑے بیٹے کا حصہ وصیت کے مطابق 1/2 آدھا ہے تو:

1/2, 18 = 9

دوسرے بیٹے کا حصہ ایک 1/3 تہائی ہے تو:

1/3, 18 = 6

اور سب سے چھوٹے یعنی تیسرے بیٹے کا حصہ 1/9 ہے تو:

1/9, 18 = 2

تمام بیٹوں کو وصیت کے مطابق اپنا حصہ مل گیا۔ اب قارئین دلچسپ پہلو ملاحظہ کریں کہ بعد وصیت پر عمل درآمد کے جو اُونٹ بیٹوں کے حصہ میں آئے ان اُونٹوں کی کل تعداد 17 بنتی ہے۔ مولا مشکل کشا نے کہا کہ اب میں اپنا اُونٹ واپس لیتا ہوں۔

پانچ روٹیوں والا معاملہ بھی ریاضی معاملات کے حل کے ضمن میں آتا ہے جو گذشتہ صفحات پر گذر چکا ہے۔

جارج جارڈج (George Jordac) ایک مشہور عیسائی مصری تاریخ دان کا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین:

جارج جارڈج امام المتقین سیّدنا علی علیہ السلام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"کیا کبھی آپ نے دُنیا کے بادشاہوں میں سے کسی ایسے بادشاہ کے بارے میں سنا ہے جس نے دُنیا کی تمام دولت اور تمام وسائل پر اختیار رکھتے ہوئے۔ ایک عجمی اور حلیف

دہ طرزِ زندگی کا انتخاب کیا ہو اور جس کا خاندان نیک نامی میں سب سے زیادہ مشہور ہو اور جس کی حکمت و دانائی کی دُنیا معترف ہو چکی ہو اور جو کہتا ہو کہ "نیکی کرنے والے کی قدر و منزلت نیکی سے زیادہ ہے۔" (۱) اور جو اپنے چاہنے والے دوستوں سے کہتا ہے کہ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو غرباء جیسا لباس زیب تن کرو اور جس نے خود اپنے بارے میں خدا سے دُعا کی ہو۔ "یا الٰہی میری غلطیوں کے لیے معاف فرما دے یہ لوگ جانتے نہیں۔" (۲)

اِس کے مخالفین نے اس کے ساتھ دشمنی نبھائی، اس کے ساتھ زیادتی کی گئی، اس کے بارے میں بدزبانی سے کام لیا گیا یہاں تک کہ اِس سے جنگ کرنے کی غرض سے آ کھڑے ہوئے کہ لوگوں نے سنا کہ اِس نے کہا تم اپنے بھائیوں (دشمن جو کہ جنگ کی خاطر مقابل آن کھڑا ہوا تھا) کو تنبیہ سے سمجھاؤ، ان کی تصیح کرو اپنے نیک عمل سے، اور ان کے حق میں مہربانی کرتے ہوئے اور اس نے کہا کہ تمہیں اپنے بھائی کو محبت کے بندھن میں باندھ لینا چاہیے اور یاد رکھو کہ تمہارا بھائی اتنا طاقت ور نہیں ہے کہ محبت اور

---

(۱) حضرت علی علیہ السلام کا مشہور قول جو کہ نہج البلاغہ میں بھی شامل ہے۔

(۲) جب آپ کی تعریف کرنے والوں نے آپ کو خدا کہہ دیا تو جناب مرتضٰی نے ان لوگوں کو سخت سزا دی اور خدا سے اپنے بارے معافی طلب کی۔ جارج جارڈچ نے واضح نہیں کیا کہ کیوں لوگوں نے آپ کی تعریف کرتے ہوئے خدا کہہ دیا لیکن ہوسکتا ہے جب آپ نے مردہ کو زندہ کیا ہو (آپ کی کرامت) تو لوگوں نے خدا کہہ دیا ہو۔

بھائی چارہ کا یہ بندھن توڑ دے اور تمہیں کوئی نقصان پہنچا دے اور جب لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ ایسے لوگوں کو سزا ملنی چاہیے جنہوں نے اِس (علی) کے خلاف ماضی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی تو آپ نے جواب دیا ''تمہارا دوست وہ ہے جو تمہیں بری باتوں سے دور رکھے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو بُرے اعمال کی طرف تمہیں راغب کرے'' اور کہا کہ ہمیشہ سچائی کا دامن تھامے رہنا حتیٰ کہ تم سب کچھ کھو ہی کیوں نہ دو اور جھوٹ کا سہارا کبھی مت لینا چاہے اس وجہ سے تمہیں فائدہ ہی پہنچتا ہو اور جب کوئی آپ کے مدمقابل آیا تو آپ نے کہا اگر کوئی تمہارے احسانات کو بھلا دے اور اِس کا بدل اچھے طریقے سے نہ دے تو تم ہرگز لطف وکرم کا سلسلہ بند مت کرو۔ جب آپ کو مشورہ دیا گیا کہ دیگر حکمرانوں کی طرح آپ بھی اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرلیں تو فرمایا جس کا دل گناہوں سے بھر گیا وہ فاتح نہیں اور جس نے فتح کے لیے بُرے طریقے اختیار کیے وہ دراصل شکست خوردہ ہے۔ اِس نے اپنے دشمن کی غلط عادات و رویوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا اور کہا کہ ''بہادر آدمی کی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں میں نظر آنے والے نقائص کو نظر انداز کرے۔'' جب دشمن نے کوئی ایسی بات کی جس کا کہ آپ کے ساتھیوں کو یقین نہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ ''جب تم کوئی ایسی بات سنو جو لوگوں کے فائدہ

کے لیے ہو تو ایسی بات کے کرنے والے پر شک نہ کرو۔"

کیا آپ کسی مذہبی پیشوا کے بارے میں جانتے ہیں جس نے اپنے عمال کو احکام دیے ہوں کہ "عوام الناس تمہارے بھائی ہیں ایک مذہب اسلام کے ناطے اور یا تمہارے برابر ہیں۔ انسان ہونے کی وجہ سے جیسا تم زمین پر بس رہے ہو ایسے ہی وہ بھی زندگی گذار رہے ہیں۔ لہٰذا تم اُن کی غلطیاں کوتاہیوں نظر انداز کر دیا کرو جیسا کہ تم اللہ تعالیٰ سے بھی اِسی طرح کے طرزِ عمل کی اُمید رکھتے ہو۔"

کیا آپ کسی ایسے بادشاہ کے بارے میں جانتے ہیں جس نے سچائی کی خاطر بادشاہت کو ٹھکرا دیا ہو یا کسی ایسے امیر کبیر صاحبِ حیثیت شخص کے بارے میں جانتے ہیں۔ جس نے زندہ رہنے کی خاطر سوکھی جو کی روٹی جیسی خوراک کا انتخاب کر لیا ہو اور جس کے نزدیک زندگی کا واحد مقصد صرف اور صرف خلق خدا کی بہتری ہو۔

کیا آپ نے کبھی ایسا دلیر نڈر اور بے خوف شخص دیکھا ہے جس کے اردگرد لالچی اور خودغرض لوگ موجود ہوں اور انہی میں اِس کے عزیز و رشتہ دار بھی ہوں اور جنگ کے اختتام پر یہ جنگ ہارنے کے باوجود بھی فاتح لوٹا ہو اور فاتح شکست خوردہ ہو۔ کیونکہ اِس کے دشمن نے جھوٹ، دھوکہ دہی اور ذاتی منفعت جیسے تمام حربے اس کے خلاف استعمال کیے مگر اِس نے خلائق کے حقوق کی خاطر، انصاف

اور مساوات کی عمل پذیری کے لیے تمام توانائیاں صرف کیں۔ اِسی لیے اِس کا دشمن جیت کر بھی ہار گیا اور یہ ہار کر بھی دُنیا کی نظر میں فاتح ٹھہرا۔

کیا کبھی آپ نے ایسے جری جنگجو کے بارے میں سنا ہے جو اپنے بدترین دشمن سے بھی لطف و کرم و شفقت و مہربانی کا معاملہ کرتا ہو اور اُن میں بہترین خوبیاں دیکھنے کا خواہاں ہو۔ جس نے جنگ کی صورتحال میں اپنے جوانوں سے کہا ہو کہ جنگ کا آغاز مت کریں تاوقتیکہ اُن پر پہلے حملہ نہ کر دیا جائے اور جب اللہ ربّ العزت کے حکم سے جنگ میں فتح و نصرت نصیب ہو تو مخالف کے بھاگتے ہوئے جوانوں و مارا نہ جائے اور نہ ہی ان کا پیچھا کیا جائے اور خواتین کو حراساں کرنے سے بھی باز رہا جائے۔[۱] اور جب اس کے خون کے پیاسے دشمن نے اِسے دریا سے پانی لینے سے روک دیا ہو۔[۲] تاکہ یہ اور اس کے فوجی دستے پیاس کی شدت سے دم توڑ دیں اور جب یہ پانی پر قبضہ حاصل کرتا ہے تو اپنے بدترین دشمن کو بھی پانی لے جانے کی اجازت

---

[۱] جناب مرتضیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے کبھی جنگ میں پہل نہیں کی۔ کبھی ذاتی دشمنی کی خاطر جنگ نہ کی۔ کبھی زخمیوں کو تہہ و تیغ نہ کیا کبھی خواتین کو حراساں نہ کیا۔

[۲] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجوں نے جنگ کے مقام صفین پر پہنچ کر پانی پر قبضہ جما لیا تھا اور پانی جناب امیر علیہ السلام اور ان کی فوجوں سے روک لیا تھا لیکن جب حیدرِ کرار نے قبضہ حاصل کیا تو دشمن کو پوری اجازت دی کہ پانی سے پوری طرح سیراب ہوں۔

دیتا ہے۔ یہاں تک کہ خود بھی پانی پئیں اور ساتھ بھی لے جائیں اور یہ کہتا ہے ''کہ وہ آدمی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے مارا گیا اتنے صلہ کا اُمیدوار نہیں جتنا کہ معاف کر دینے والا جو بدلے کی پوری طاقت رکھتے ہوئے بدلہ نہ لے، معاف کر دے۔''

ایسا بہادر کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ اِس نے اپنی بہادری کبھی اپنے دشمن کے خلاف استعمال نہیں کی۔ دشمن وہ کہ جو سب متحد ہو کر صرف اور صرف اِس کی جان کے درپہ ہوں وہ کہ جو مسلح دشمن کے سامنے ننگے سر اور غیر مسلح گیا ہو۔ جس نے دشمن کو پُرانے تعلقات کی یاد دھانی کرائی ہو۔ تا کہ دشمن جنگ سے باز رہے۔

جب اِسے اندازہ ہو گیا ہو کہ مخالف پر اِس کے الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے اور اِس کا دشمن اِس کے جان کے درپہ ہے تو اِس نے اپنے جاں نثاروں سے یہ کہا ہو صرف ہوشیار رہیں۔ لیکن جب اِس کے دشمن نے تمام نصیحتوں، لطف و کرم اور صلح و آشتی کی کوششوں کو رد کرتے ہوئے حملہ کیا تو اِس نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور یہ (علی) اُن کی لاشوں پر گریہ کرتا ہے کہ یہ کسی طرح کی ہمدردی کے حق دار نہ تھے۔ یہ لالچی او خود غرض لوگ تھے اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو تکلیف دہ اور اذیت ناک بنا لیا تھا۔

تاریخ عالم میں ہم کوئی ایسا شخص نہیں ڈھونڈ سکتے جو اتنے

مضبوط ارادوں کا مالک ہو کہ بدترین خانہ جنگی اور بغاوت
میں بھی اس کے ارادے متزلزل نہ ہوئے ہوں جو اپنے
مقصد کے حصول (یعنی انسانیت کی بھلائی) کے لیے جوش و
جذبے سے عمل پیرا ہو۔

ایک زیرک وفہم وفراست والا شخص کہ جس نے کئی سو سال
پہلے نسل انسانی سے متعلق راز عیاں کیا ہو کہ ''اچھی خوبیاں
اور اچھا طرزِ عمل صرف اُن کے خون میں رواں ہے جو کہ
اپنے حاکم وقت کے ہاتھوں ظلم و استبداد کا شکار ہوئے ہوں
جن کی زندگیاں بے وقعت ہوگئی ہوں اور جن کے لیے دکھ
اور تکلیفیں ہی فقط ہمسفر ٹھہری ہوں۔'' جو ہمیشہ ظالموں سے
لڑتا رہا اور جس نے کہا ''بخدا میں حقوق چھیننے والوں سے
ان کے حقوق چھین لوں گا اور ظالموں کو گھسیٹتا ہوا سیدھے
راستہ پر لاؤں گا انہیں نکیل ڈالوں گا چاہے انہیں یہ بُرا ہی
کیوں نہ لگے۔''

اور یہ (علی) شخص امراء و روساء سے مخاطب ہو کر کہتا ہے
کہ ''تم اپنی دولت کی طاقت کے بل بوتے پر اُونچے اُونچے
عہدوں پر براجمان ہو گئے ہو حالانکہ تمہارے اندر اس کی
کوئی خوبی نہیں نہ ہی تم اِن عہدوں کے حق دار ہو اور جو
غریب و لاچار ہیں ایک تکلیف دہ زندگی گذارنے پر مجبور
کر دیے گئے ہیں۔''

اِس کا کیا مطلب ہوا کہ ایک کمزور و لاچار شخص کو اپنی خوبیاں دکھانے

کا موقع نہ دیا جائے اور دوسری طرف امراء و روساء اپنی قیمتی پوشاکوں کے نیچے اپنی خامیاں چھپائے بیٹھے ہوں۔

جارج جارڈج (George Jordac) جناب امیر علیہ السلام کے کلام پر بنی کتاب نہج البلاغہ (Peak of Eloqnence) پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اتنا فصیح و بلیغ کلام اتنی پُر اثر تحریر کہ جس کا ہر فقرہ دوسرے سے جڑا ہے جو کہ جذبہ انسانی سے پُر ہے اور جب تک نسل انسانی اس دُنیا پر قائم ہے یہ تحریر اس کے لیے ہمیشہ پُرکشش رہے گی۔

اس کا ہر لفظ حکمت و تدبر سے بھرپور ہے۔ اس کے مصنف نے دُنیا کے تمام حقائق سے پردہ ہی نہیں اُٹھایا بلکہ دُنیا کو اِس کائنات سے باہر کی چیزوں کے متعلق بھی بتایا۔

جب کوئی قاری اس کتاب کو مطالعہ کے لیے کھولتا ہے تو اُسے محسوس ہوتا ہے کہ اِس میں بپھرے ہوئے سمندر کی لہریں موجزن ہیں۔ یہ کلام (نہج البلاغہ) اتنا خوبصورت ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں اور کانوں پر ایک خوشگوار اثر چھوڑتا ہے اور یہ ایک ذہانت کا امتحان ہے۔

جارج جارڈج جناب امیر علیہ السلام کے کلام پر مزید لکھتا ہے کہ اگر کسی کی طعن و تشنیع کے لیے یہ زبان کھولے تو بڑے سے بڑا طلاطم خیز طوفان بھی اس کی تاب نہ لا سکے۔

اگر یہ جھڑکے تو یہ ایک طوفان ہے اور آگ کی بارش ہے گنہگاروں کے سر پہ۔ اگر یہ دلیل دینے پہ آئے تو حکمتیں اور دانائیاں گم ہو جائیں۔ تمام تمثیلاتی دروازے بند ہو جائیں سوائے اس کی دلیل کے جب یہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تو ایک مشفق باپ کی طرح اور بے پناہ محبت دیتا ہے۔ عرب میں

زبان کی جتنی جہتیں تھیں اور جتنی بھی بعد میں رائج ہوئیں اسی کی مرہون منت ہیں۔ آخرکار دُنیا نے یہ تسلیم کیا کہ اِس کا کلام خُدا کے کلام کے بعد تمام نسلِ انسانی سے بڑھ کر ہے۔

جارج جارڈچ آخر میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہے کہ ہارون بن عنطارہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میرے والد جناب امیر المومنین علیہ السلام علی بن ابی طالب سے ملاقات کے لیے گئے۔ اس وقت سخت سردی کا موسم تھا۔ جناب مرتضیٰ علیہ السلام کو اِس حال میں دیکھا کہ سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں اور بستر کی چادر سے اپنا تن ڈھانپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرے والد نے کہا کہ یا امیر المومنین علیہ السلام اللہ نے بیت المال میں آپ کا بھی حصہ رکھا ہے۔ پھر کیوں آپ اذیت برداشت کر رہے ہیں۔ جناب مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”بخدا میں بیت المال سے کچھ نہیں لیتا اور یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا۔“ [1]

نوٹ: جارج جارڈچ ایک عیسائی تاریخ دان نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف The Voice of Human Justice میں جناب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر انتہائی خوبصورت انداز میں تبصرہ کیا ہے اور واضح طور پر لکھا ہے کہ جس نے عرب کی جہالتوں کے اندھیروں میں حق کا سویرا کیا وہ سیّد المرسلین نور ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان کے بعد یہ ذمہ داری حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پوری جانفشانی سے ادا کی۔

---

[1] امام المتقین علیہ السلام کے اِس جملہ کے بعد آنسوؤں کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے کہ شاہ عرب شاہ الاولیاء امام طریقت اس حال میں بھی ایک چادر کو Justify کر رہا ہے کہ میں یہ مدینہ سے لایا تھا۔

مشہور مسلم مورخین، محققین کی آراء:

○ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ پورے عرب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسا غیر جانبدار مصنف نہ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی عربی گرائمر کے موجد ہیں۔

○ ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم منافقین کی پہچان بڑی آسانی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھنے والوں سے کر لیا کرتے تھے۔

○ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمن اسی کوشش میں رہتے تھے کہ آپ میں کوئی خامی یا نقص نکال سکیں مگر انہیں ہمیشہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا پھر انہوں نے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ ان کی شکست کی خاطر الحاق کر لیا مگر یہ اس میں بھی ناکام رہے تو جھوٹے اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔

○ ابن اثیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہے کہ آپ پہلے خلیفۃ المسلمین ہیں کہ جن کے ماں باپ دونوں ہاشمی ہیں اور آپ اتنے انصاف پسند تھے کہ کبھی کسی دوست یا رشتہ دار سے زیادتی یا ناانصافی کا سوچا تک نہیں اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حالت یہ تھی کہ اونٹ کی کھال کے سوا کچھ نہ تھا جو کہ دن کو وہ اونٹوں کے اوپر رکھتے اور رات کو اس کو چادر بنا لیتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر گفتگو میں کسی کو نہ پایا۔ یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی اپنی زندگی میں جھوٹ نہیں بولا۔

داریما (Darema):

داریما ایک چرب زبان عرب خاتون تھی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف بیانگ دھل بیان کرتی تھی اور امیر معاویہ پر حرفِ تنقید بلند کرتی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امیر معاویہ نے اسے اپنے پاس بلوا کر پوچھا کہ تم علی کی اتنی حمایت کیوں کرتی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ علی انصاف سے محبت کرنے والے انسان تھے جس نے نیکوکاروں کو عزت بخشی اور غرباء سے ہمدردی کی۔

ابن ندیم:

ابن ندیم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ آپ نے قرآنِ کریم کے ابواب کو اُس ترتیب سے مرتب کیا جیسا کہ وہ اُترے اور آپ نے احادیث کے بیان کرنے میں انتہائی احتیاط برتی ہے۔

عمر بن عبد العزیز:

جو کہ بنو امیہ کے مشہور فرمانروا گذرے ہیں یہ زہد تقویٰ رحم دلی کی وجہ سے خلافت بنو امیہ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اِن سے کسی نے پوچھا کہ آپ دُنیا میں سب سے زیادہ پرہیزگار نیک آدمی کس کو مانتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ علی ابنِ ابی طالب کو کہ انہوں نے انتہائی خوش دلی سے لوگوں کی بہتری کے لیے جدوجہد کی نہ صرف انہوں نے خوبیوں پہ عمل کیا بلکہ جانفشانی کے ساتھ اپنے دوست، احباب اور ہر تعلق رکھنے والے کی اصلاح کی بھرپور طریقے سے کوشش کی۔

مسعودی ایک نامور تاریخ دان لکھتا ہے کہ اگر پہلے مسلمانوں میں سے ایک شاندار شخصیت کا نام لیا جائے جو کہ ہجرت کے وقت محمد ﷺ کا جانثار ہو۔ جس نے کہ یقین محکم کے ساتھ جدوجہد کی ہو۔ جو کہ آپ ﷺ کا دوست اور وصی ہو۔ جسے آپ کی ﷺ تعلیمات کا اور کتابِ اللہ کا مکمل علم ہو جو کہ بہترین مصنف ہو۔ جو کہ علم فقہ اور سائنس کا جاننے والا ہو تو یقیناً یہ نام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہی ہوگا۔

دور حاضر کی ضرورت:

تمام صوفیا و اولیاء کرام کا یہ ماننا ہے کہ کسی بھی مقام کے حصول کے لیے محبت ایک نسبتاً بہترین راستہ ہے۔ جہاں انسان ہزار تگ و دو کے بعد پہنچتا ہے وہاں محبت چند جستوں میں اُسے پار لگا دیتی ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

لیکن محبت کے حصول کے بھی تقاضے ہیں۔ پہلا یہ کہ باطن صاف ہو۔ صبر و استقلال اور اس طرح کے بنیادی وصف کسی انسان کے اندر چاہے کم سے کم موجود ہوں۔ مگر انسان اِن سے آشنا ضرور ہو۔ عشق کے بھی امتحان کٹھن ضرور ہیں۔ مگر جیسے جیسے کوئی ان کو طے کرنا شروع کرتا ہے تو اس دوران میں وہ کسی ایسی خوبصورت چیز کا احساس کرنے لگتا ہے اور جلد از جلد مقصد یعنی محبت کی تمام منزلیں پوری کر کے اُسے پا لینا چاہتا ہے۔ اب یہ جو محبت ہے یہی وہ ایک ذریعہ ہے جو کسی ولی، صوفی، قطب یا غوث کو ہوا میں اُڑاتا ہوا حقیقت سے آشنا کروا دیتا ہے اور جب صوفی اُولیاء اپنی منزل پا لیتے ہیں تو قرار نصیب

ہوتا ہے۔ اللہ ربّ العزت کو یہی ہر انسان سے مقصود ہے کیونکہ یہ انسان اللہ کے فرمان کے مطابق خلیفۃ العرض ہے اشرف المخلوقات ہے اور بے شک حضرت علی کرم اللہ وجہہ ولایت کے بام عروج پر ہیں جو کہ تمام مسلمانوں کے لیے ھادی ہیں۔

اب آپ آج کے زمانے کی طرف نظر دوڑائیں تو ہر طرف مادہ پرستی کا عفریت سب کو اپنے بازون میں لپیٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب تو حالت یہ ہو چکی ہے ایسا لگتا ہے کہ جیسے تمام لوگوں کو شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہو۔ ہر کوئی عجیب رویوں کا عادی ہو چکا ہے جس کے پاس ذرا سا بھی اختیار ہے وہ اُس کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے کرپشن کی گندگی میں دھنستا جا رہا ہے۔

ڈر یہ لگ رہا ہے کہ کہیں وہ مقام نہ آ جائے کہ جب اللہ فرماتا ہے کہ:

”اِن کے دلوں پر ہم نے مہر لگا دی ہے اب ان کی طرف سے کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔“

اللہ ربّ العزت کا درج بالا ارشاد پڑھ کر تو جسم کانپ اُٹھتا ہے۔ اس آسیب زدہ دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنے اعمال دُرست کریں اور جب نبی ﷺ کے حکم پر عمل کرنے کی بات ہوتی ہے تو سب سے پہلے یہ حُکم آتا ہے کہ ”میں تم سے اس کا (اسلام پہنچانے کا) کچھ بھی اجر نہیں مانگتا لیکن یہ کہ میرے اہل بیت سے محبت کرو۔ پہلا حکم ہی محبت کا ہے اس کتاب میں کہیں گذر چکا ہے کہ اہل بیت سے محبت ایمان کا جزو ہی نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔ لہٰذا ہمیں اِس دم توڑتے ہوئے معاشرے کو محبت سے بچانا ہو گا۔ اس حکم کی تکمیل یعنی حُبِ اہل

بیت کے بعد دیکھئے گا کہ کیسے کیسے نظارے ہوتے ہیں۔ راہیں آپ سے آپ کھلتیں جائیں گے اور آپ دُرست سمت پر چلتے ہوئے مقصد حیات کو پا لیں گے۔

ہمیں مغرب کی رنگینیوں سے نظر ہٹا کر مرشد کی لالی میں ڈوب جانے کی ضرورت ہے۔

"جیٹھر ا رنگیا گوڑھا رنگیا مرشد والی لالی اویار عشق دی نویں نویں بہار۔" (بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

بس ذرا سا ٹھہر کہ سوچنے اور عمل پیرا ہونے کے لیے ہمت و حوصلہ کی ضرورت ہے آپ دیکھیں گے کہ اللہ ربّ العزت آپ کی رہنمائی کرتا جائے گا اور منزلیں طے ہوتی جائیں گی۔

اولادِ علی المرتضیٰ علیہ السلام:

جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کی شادیوں اور اولاد کے بارے میں مختلف روایات ہیں مگر ایک بات متفقہ الیہ ہے کہ جب تک نورِ چشم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیہ حیات رہیں جناب امیر علیہ السلام نے دوسری شادی نہیں کی۔ بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے آپکے دو بیٹے (1) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دو بیٹیاں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت بی بی کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ خاتونانِ جنت کی سردار بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد آپ نے آٹھ شادیاں کیں ان میں سے کثرت سے اولادیں ہوئیں۔ مگر جنہوں نے اسلام کو نئی روح بخشی اور ہمیشہ کیلئے زندہ جاوید ہو گئے۔ ان میں بالخصوص امام حسن رضی اللہ عنہ اور

(1) کچھ روایات میں تیسرے بیٹے محسن کا ذکر بھی ملتا ہے کہ یہ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ مگر زیادہ تر روایات دو بیٹوں کے بارے میں ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کو خاص محبت تھی اور اپنی شہادت کے وقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں خصوصی ہدایات دی تھیں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ بھی ہے کہ "میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروائے گا۔" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "حسن و حسین رضی اللہ عنہما جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔" [1] اس کے علاوہ بھی کئی ایک احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت و کردار کو اُجاگر کرتی ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب مرتضیٰ علیہ السلام کی بیعت نہ کرکے جو تنازعہ کھڑا کر دیا تھا اور جس میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو چکی تھیں۔ وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ہی اپنے علم و فضل سے حل کیا۔ [2] آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ شرائط منوائیں اور جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ تردد کے بعد قبول کیا تو آپ نے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ یہ شرائط اسلام کی طاقت اور دوام کے لیے انتہائی اہم تھیں۔ لہٰذا اسے مانے بغیر امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے واضح انکار کر دیا تھا۔ اِس طرح دونوں گروہوں صلح ہو گئی اور اُمت مسلمہ مزید خونریزی و خانہ جنگی سے بچ گئی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قدم مسلم اُمہ کیلئے حیات آفریں

---

[1] ابن حنبل، ترمذی اور نسائی میں یہ حدیث مبارکہ حضرت حذیقہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

[2] کچھ لوگ اِس بارے میں اعتراض کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جو نہ کیا (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح نہ کی) وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے کیوں کر دیا (یعنی معاویہ سے صلح کر لی) اِس کا جواب جو کہ سید ابو الحسن علی ندوی نے بھی دیا ہے کہ دونوں اپنے اپنے ادوار کے حالات سے دوچار تھے۔

ثابت ہوا کہ مسلمان مسلمان کے قتل سے باز آ گئے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد اکثر لوگ برسر عام آپکو طعنہ دیتے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کیوں منظور کی۔

اس کے جواب میں ایک دن امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں شامیوں سے جنگ کرنے کا کہتا تھا تو تم حیلہ بہانا سے کام لیتے تھے اور جب تمہارے اِس عمل سے عاجز آ کر میں نے صلح کر لی اور اُمت مسلمہ کو خونریزی سے بچایا تو اب تم مجھے یہ طعنہ دیتے ہو۔

جناب علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کچھ عرصہ خلیفہ رہے مگر آپ کو بھی وہی حالات درپیش آئے جن کا مولا علی علیہ السلام کو سامنا تھا۔ کوفہ کے لوگوں کا مزاج سمجھ سے باہر تھا کبھی تو جناب مرتضیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اتنی محبت دکھاتے کہ لگتا کہ اصل جانثار ہیں مگر کبھی صاف کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیتے۔

سخاوتِ حسن رضی اللہ عنہ:

سخاوت تو اِس گھرانے کی خاص خوبیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کسی جگہ سفر کے لیے روانہ ہو رہے تھے کہ راستے میں دیکھا کہ ایک غلام آدھی روٹی خود کھا رہا ہے اور آدھی کتے کو کھلا رہا ہے۔ آپ سے رہا نہ گیا اُس غلام سے حقیقتِ حال معلوم کی تو اُس نے کہا کہ جب میں اکیلا کھاتا ہوں تو اس کتے کی آنکھوں میں بھوک و بے بسی کی تاب نہیں لا سکتا اِسی لیے آدھی روٹی کتے کو کھلا رہا ہوں۔ اِس غلام کو جب آپ کے بارے میں پتہ چلا کہ آپ نور ہدایت محسن انسانیت سیّد المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے

چشم و چراغ ہیں تو اس نے آپ کے گھرانے اور آپ کی خاص مداح بیان کی۔ آپ نے اِس غلام سے کہا ''جا تو بھی آزاد اور یہ باغ بھی تیرا۔ (۱) آپ کا حلیہ مبارک حضرت محمد ﷺ سے خاص مشابہہ تھا۔ (۲)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دُعا:

بیہقی اور ابن عساکر نے ہشام کے والد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مالی حالات کا شکار ہوئے۔ اس دوران ایک دن آپ کو حضرت محمد ﷺ کی زیارتِ مبارکہ خواب میں ہوئی۔ نبی ﷺ نے آپ کو حاجت روائی کے لیے دُعا بتائی اور کہا کہ یہ دُعا پڑھو: (۳)

ترجمہ: ''الٰہی! میرے دل میں اپنی آرزو پیدا کر دے اور دوسروں سے میری تمنائیں اس طرح ختم کر دے کہ میں کسی سے پھر تیرے سوا اُمید وابستہ نہ رکھوں، الٰہی! میری قوتوں کو کمزور نہ بنا میرے نیک اعمال کوتاہ نہ کر، مجھ سے اغراض نہ فرما تو اپنے فضل وکرم سے مجھے توکل وتوفیق کی ایسی قوت عطا فرما کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جو اب تک پچھلے یا آنے والے شخص کو نہیں دیا۔ اے ربّ العالمین! مجھے یقین کی دولت سے مالا مال

---

(۱) تاریخ الخلفاء۔

(۲) اس بارے میں ایک واقع ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں اُٹھائے ہوئے تھے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا اے علی رضی اللہ عنہ! آپ کا بیٹا اپنے نانا (حضرت محمد ﷺ) سے مشابہہ ہے۔

(۳) تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی۔

فرما دے!'' (آمین)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے یہ دُعا ایک ہفتہ تک نہیں پڑھی ہو گی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے پانچ لاکھ درہم بھیج دیے۔ جس پر میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ جو اپنے یاد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا اور اپنے مانگنے والوں کو محروم و نا اُمید نہیں فرماتا۔ جس دن یہ رقم آئی۔ اس روز میں نے پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرما رہے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ کیسے ہو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا ہوں اور اِسکے بعد میں نے تمام واقع عرض کیا آپ نے بعد سماعت ارشاد فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اللہ سے اُمیدوار ہونا اور مخلوق سے التجا نہ کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔''

غرضیکہ آپ کے خصائص و محاسن بے شمار ہیں۔ تاریخی کتب میں آپ کی کرامات کے حوالے سے بھی واقعات ملتے ہیں۔

شہادت امام حسن رضی اللہ عنہ:

آپ کی شہادت کے حوالے سے جو روایتیں ملتی ہیں اُن کے مطابق آپ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ جس روز آپ کو زہر دیا گیا آپ چالیس دن تک موت و حیات کی کشمکش میں رہے۔ اِسی دوران آپ نے فرمایا کہ مجھے پہلے بھی زہر کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے مگر اِس بار جو زہر دیا گیا ہے وہ انتہائی جان لیوا ہے۔ اسی سبب آپ ماہ صفر کی ۲۸ تاریخ بمطابق ۵۰ھ ۶۷۰ء کو شہادت پا گئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ:

آپ تین شعبان ۴ ہجری بمطابق ۸ جنوری ۶۲۶ء کو پیدا ہوئے۔

سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کو جناب امیر علیہ السلام کے دونوں شیروں سے خاص محبت تھی۔ رحمت العالمین محمد ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔'' ایک اور حدیث نبوی ﷺ جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے کہ ''حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔'' یہ دونوں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لال نبی ﷺ کو اِس قدر محبوب تھے کہ جب آقائے دو جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہم آپ کے شانہ مبارک پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور آپ سجدہ طویل کر دیا کرتے تھے۔ (۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مقدسہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی ''آیت تطہیر (۲)'' میں شامل افراد میں ہیں۔

جناب حسین رضی اللہ عنہ مباہلہ کے واقعہ نجران میں بھی شامل ہیں جب ایک عرب عیسائی وفد حضرت محمد ﷺ سے مباہلہ کرنے آیا تو آپ جن افراد کو لے کر آئے اِن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور خود نبی ﷺ شامل تھے۔ عیسائیوں نے اِن افراد کو دیکھتے ہی معافی طلب کی اور مباہلہ سے باز رہے۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے ہی گھر میں مقید کر دیے گئے تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے ہی ان کے گھر کے باہر پہرہ دے کر ان کی حفاظت

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔

(۲) سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۵۔

کی اور اس دوران بلوائیوں کے ساتھ جھڑپ میں زخم بھی کھائے۔

یہاں سورۃ الکوثر کی شرح بیان کرنا از حد ضروری ہے۔ جناب ابو الاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں سورۃ الکوثر کے پس منظر اور آیت اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۝ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ جب نبی ﷺ اسلام کے ابتدائی دور میں مشکلات اور شدید تکلیف دہ حالات کے سبب دل گرفتہ ہو گئے۔ جب آپ ﷺ نے کلمہ حق بلند کیا تو مکہ میں صرف چند لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ کفارِ مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں دیں ہر طرح کی سختی و مصیبت میں گرفتار کیا گیا۔ اِس صورتحال کے سبب آپ غمگین تھے کہ اِسی عرصہ میں آپ کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو قریش نے کہا کہ محمد ﷺ جڑ کٹا ہو گیا (نعوذ باللہ) یہ مر جائے گا تو کوئی دُنیا میں اِس کا نام لیوا نہ ہو گا۔ اِسی سورۃ کے پس منظر میں لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کا دوسرا صاحبزادہ وفات پا گیا تو آپ ﷺ کا چچا ابولہب قریش کے سرداروں کے پاس گیا اور بطور خوشخبری یہ بات سنائی کہ آج کی رات محمد ﷺ لاولد ہو گئے یا اُن کی جڑ کٹ گئی۔ جناب مودودی صاحب نے سورۃ اکی آیت انا عطینٰک الکوثر کی شرح میں لکھا ہے کہ اِس سے مراد خیر کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اِن دل گرفتگی کے حالات میں اِس سورۃ کے ذریعے یہ خوشخبری دی کہ اللہ نے تمہیں خیر کثیر عطا کی یعنی بے شمار خوبیاں بھلائیاں ان گنت نعمتیں عطا کیں فراوانی کے ساتھ اور دشمن جو یہ کہہ رہے تھے کہ نبی ﷺ جڑ کٹا ہے (نعوذ باللہ) تو اُن کے منہ بند ہو گئے جب بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی اولاد پھیلی یعنی امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور جس کا سارا سرمایہ افتخار ہی حضور ﷺ سے اِس کا انتساب ہے۔ (۱)

---

(۱) تفہیم القرآن جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۹۳، ۴۹۲، ۴۹۱، ۴۹۰۔

غرضیکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بے شمار محاسن و خصائص ہیں۔

اب جو مقام آ رہا ہے بندہ کی اُسے ضبط تحریر میں لانے کی ہمت تو نہیں مگر اِس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جن شرائط پر صلح کی تھی اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا جانشین مقرر نہیں کرے گا اور یہ اُمت مسلمہ کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اِس کے بعد جسے چاہے اُمت مسلمہ سربراہ منتخب کرے۔ مگر امیر معاویہ نے اِس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ تخت نشین ہوا۔[1] اِس نے امام حسن رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے مجبور کیا تو یہ حضرات مدینہ سے مکہ ہجرت کر گئے۔

آخرکار جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یزید نے وہ کام شروع کر دیے ہیں جو کسی بھی مسلم حکمران کا شعار نہیں ہو سکتے تو آپ رضی اللہ عنہ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم الٰہی بجا لانے کا تہیہ کیا اور اِسی خاطر کربلا پہنچے۔ آپ کے ساتھ خواتین و بچے جوان اور بوڑھے آپ کا کل لشکر تھا۔

یزید جو کہ اقتدار کے نشہ میں ڈوبا طرح طرح کے غیر اسلامی شعار کو اپناتا جا رہا تھا۔ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے بھی باز نہ رہا۔ یزید کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ کوئی بھی اِسکی ظلم و زیادتی اور اسلام کے خوبصورت تشخص کو بگاڑنے میں حائل ہو۔ سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اِس کی من مانیوں اور غیر اسلامی حرکات کے آگے بند باندھا تو اِس نے یہ بھی لحاظ نہ کیا آپ سرور کونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ بلکہ بڑی بے دردی سے آپکو

[1] جناب مرتضیٰ کی شہادت کے بعد ہی خلافت ملوکیت میں بدل گئی تھی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کا جو مختصر عرصہ ہے اُس کے بعد ملوکیت شروع ہوئی۔

رُفقا سمیت کربلا میں شہید کر دیا ۔ یزید آخری وقت تک امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے زور دیتا رہا مگر جگر گوشہ بتول نواسہ رسول علی رضی اللہ عنہ کا شیر آوازِ حق بلند کرتا رہا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ۱۰ محرم ۶۱ ہجری بمطابق ۶۸۰ء کو شہادت پائی۔

امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حق کی خاطر باطل سے لڑتے ہوئے شہادت تو پا گئے۔ مگر اسلام کو اپنے خون سے نیا جذبہ، نئی اُمنگ اور حیات جاودانی بخش گئے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

(علامہ محمد اقبالؒ)

غمِ حسین تو مومن کے دل میں تا قیامت زندہ رہے گا۔ مگر اِسی جذبہ کی روح میں اُترنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے استبدادی قوتوں کے آگے آوازِ حق بلند کی اور بغیر جنبش کے اُس پر ڈٹے رہے۔ اسی طرح ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ بھی میدانِ عمل میں نکلے اور حق کی آواز بلند کرے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

(علامہ محمد اقبالؒ)

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کومی و شامی

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

کی سیرت سے خاصے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ آپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو میراثِ مسلمانی قرار دیتے ہیں۔

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی سرمایہ شبیری

اسیرانِ کربلا کو شام میں یزید کے دربار لے جایا گیا جہاں نبی ﷺ کے خاندان کی بیٹیوں کو ننگے سر رکھا گیا اور طرح طرح سے اس لٹے پٹے گھر کی بے توقیری کی گئی۔ جب یہ قافلہ دمشق میں یزید کے سامنے پیش ہونے جا رہا تھا تو کچھ دیر کے لیے بازارِ دمشق میں رُکا۔ تمام لوگ حیرت سے اس اُجڑے ہوئے قافلہ کو دیکھ رہے تھے کوئی آوازے کستا کوئی بدزبانی کرتا۔ اہلیان دمشق گھر کی چھتوں سے قیدیوں کو دیکھ رہے تھے گو ایک ہجوم اُمڈ آیا تھا۔ ان لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ یہ حکومت کے باغی ہیں اسی واسطے انتہائی بے ادبی سے پیش آ رہے تھے۔ انہی میں سے ایک ضعیف خاتون اپنے گھر کی چھت سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اِس نے اپنی ملازمہ کے ہاتھ کچھ خورد و نوش کی اشیاء قافلہ کے قیدیوں کو پہنچائیں۔ ملازمہ نے یہ اشیاء سیّدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے حوالہ کیں تو بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے اِس سے پوچھا کہ ہمیں یہاں کوئی نہیں جانتا بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں تم نے یہ نیکی کیوں ہمارے لیے کی تو جواب میں ملازمہ نے اپنی مالکہ کے بارے میں بتایا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اُس خاتون کو بلوایا اور اِس مہربانی کی وجہ پوچھی تو اُس بزرگ خاتون نے جواب دیا کہ ایک بار مدینہ گئی تھی اور کچھ عرصہ محمد ﷺ کی دختر سیّدہ بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہی جب واپس آنے لگی تو بی بی سے کہا میرے لیے کوئی نصیحت کر دیں تو بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جب بھی تمہیں قیدی نظر آئیں تو ان

سے حسن سلوک ضرور کرنا سو اِسی خاطر جب تم قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑے دیکھا تو بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت یاد آ گئی اور تمہیں یہ چیزیں پہنچا دیں۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اُس خاتون سے کہا کہ تم نے ہماری اِس حال میں مدد کی ہے تمہاری کوئی تمنا ہو تو ہم خدا سے دُعا کریں کہ یہ پوری ہو۔ اُس خاتون نے کہا کہ ہاں بس ایک تمنا ہے کہ جب میں بی بی فاطمۃ رضی اللہ عنہا کے گھر سے رُخصت ہو رہی تھی تو دو ننھے بیٹے تھے اور ایک بیٹی بی بی کے آنگن میں کھیل رہے تھے خدا سے دُعا ہے کہ مرنے سے پہلے انہیں دیکھ پاؤں۔ سیّدہ زینب نے کہا کہ تیری یہ خواہش پوری ہوئی۔

جو چھوٹا لڑکا تو نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں دیکھا تھا اُس کا سر نیزے کی نوک پر ہے اور لڑکی تیرے سامنے بے سرو سامانی کے عالم میں قیدی بنی کھڑی ہے۔

اس کے بعد قافلہ کو یزید کے دربار میں لے جایا گیا جہاں بی بی زینب رضی اللہ عنہا نے انتہائی پُراثر فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ حیدرِ کرار کی بیٹی تھیں انداز تو باب العلم جیسا ہونا ہی تھا۔ اس تاریخی خطبہ سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

''اے یزید ملعون! کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہمیں قید کر کے تو نے ہم پر زمین و آسمان کی فضا کو تنگ کر دیا؟ کیوں تو نے ہمیں قید کر کے بازاروں اور شہروں میں پھرایا ہے؟ کیا تو گمان کرتا ہے کہ تیرے اِس عمل سے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل ہوئے ہیں؟ اور کیا تو نے اِس طرح اللہ کے سامنے اعزاز و منزلت حاصل کی ہے۔ کیا تو نے گمان کر لیا ہے کہ اپنے اِس عمل سے تو نے اللہ کے حضور اتنا بڑا

کام سرانجام دیا ہے۔ جس نے غرور و تکبر سے تیری ناک
پھلا دی ہے۔؟
اور تو بڑے غرور سے اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے درآں
حالانکہ تو انتہا سے زیادہ خوش اور مسرور ہے؟ کیا تو دُنیا کو
آباد اور اپنی مرضی کے مطابق پاتا ہے؟ اور کیا سمجھتا ہے
کہ دُنیا کے تمام امور تیری مرضی و منشا کے مطابق انجام
پاتے ہیں؟ نیز کیا تو سمجھتا ہے کہ ہمارے مقام و منصب کو
تو نے درست جانا ہے؟
یزید! ذرا غور کر (اور خیالاتِ باطل سے اجتناب کر) کیا
تو فرمان اللہ بزرگ و برتر کو بھلا بیٹھا ہے جبکہ وہ فرماتا
ہے ''جو لوگ کفر و بے بنی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں
یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے وہ اِن
کے فائدے میں ہے؟ بلکہ ہم نے انہیں اِس لیے مہلت
دی ہے کہ انہیں اپنے گناہوں میں اضافے کی مہلت
زیادہ ملے اور ذلیل کرنیوالا عذاب اِن کیلئے مہیا ہے۔''

اے ہمارے آزاد کئے ہوئے لوگوں کی اولاد! کیا یہ انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں تک کو تو پردے میں بٹھا رکھا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کو نامحرموں کے درمیان قیدی بنا رکھا ہے۔ ان کے پردۂ حرمت کو تو نے پارہ پارہ کر دیا ہے .... ایسے شخص سے کس طرح مہربانی کی توقع کی جا سکتی ہے جس کا گوشت شہداء کے خون سے بنا ہو؟ پھر وہ شخص کس طرح اہلِ بیعت کے ساتھ اپنے بغض و کینہ میں کمی کر سکتا ہے۔ جس نے ہمیشہ ہم پر

بغض و نفرت ہی کی نظر ڈالی ہو۔.......... پروردگار! ان لوگوں سے ہمارے حق کو وصول فرما، اِن ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ اپنے غیض و غضب کو اِن پر وارد فرما انہوں نے ہمارا خون بہایا۔

بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی آخری آرام گاہ کے بارے میں متضاد روایات ہیں کچھ کا خیال ہے کہ آپ کا مزار شریف دمشق میں ہے کچھ کی رائے میں قاہرہ، مصر میں واقع ہے۔ مگر زائرین زیادہ دمشق شام میں واقع مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ اُم البنین کے بطن سے تھے۔ آپ کی کربلا میں شجاعت و بہادری اور جوانمردی کے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔ کئی ایک روایات میں ہے کہ آپ طاقت و جوانمردی میں اپنے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت مشابہہ تھے۔ آپ نے بھی سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے بھائیوں عبد اللہ، جعفر اور عثمان سمیت جامِ شہادت نوش کیا۔[1] آپ کا روضہ مبارک بھی کربلا عراق میں ہے۔ آپ عباس علم دار کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ کربلا میں علم آپ کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹوں میں سے ایک محمد بن علی تھے جو کہ محمد حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اِن میں بھی جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ نیک و پرہیزگار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ سے خاص محبت تھی اس لیے وقت شہادت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو محمد حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خاص ہدایات فرمائیں تھیں۔

---

[1] ابن کثیر۔

اہل بیت کے بارے **علامہ اقبال** رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار

اِک فقر ہے شبیری اِس فقر میں ہے میری!
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری!

خودی شیر مولا جہاں اس کا صید!
زمین اِس کی صید آسمان اِس کا صید!

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق رضی اللہ عنہ دے

اجازت کیا شکوہِ خروی بھی ہو تو کیا حاصل؟
نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں نہ استغفائے سلیمانیؑ

قافلہ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود می بدر و حسنین بھی ہے عشق!

عشق دمِ جبریل عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خُدا کا رسول عشق خُدا کا کلام

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایہ صحراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق
جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی!
خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی
حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیریؓ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ فقرِ بوذرؓ صدقِ سلمانیؓ

جلال و جمال

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیب میں فلاطوں کی تیزی ادراک
مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک
خُدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری
محمد بھی تیرا، جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟
دلوں کو مرکز مہر و وفا کر
حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اِسے بازوئے حیدر بھی عطا کر
خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد کرم اللہ وجہہ الہٰی
غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرؒ کرار بھی ہے

دیگر اشعراء کا کلام حبِ اہل بیت

ہر گنا سے پاک کر دیتی ہے حبِ اہل بیت
اس سے بہتر خلق کو حب المتین ملتی نہیں

(اسیر)

آتش سے بغض حُب اسے خاکِ شفا کی ہے
حُر کے موافق آب و ہوا کربلا کی ہے

(آتش)

لشکر حُر کو دیا پیاس میں پانی شاہ نے
تھا سخی ابن سخی آنکھ چرائی نہ گئی

(میر انیس)